''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی بلاشبہ اس نے میرا انکار کیا۔'' (بخاری)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ
دعوت
نئی دہلی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مشرکین کے حق میں بددعا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (بخاری)

OMEGA SUPER HARDWARE
Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Fumitures
AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۳۰ ● یکم اپریل ۲۰۰۹ء ● 1st April 2009 ● چہارشنبہ ● ۵ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ ● قیمت Rs.5/= ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● Posting: 29 April 2009 Sunday

فوج میں مسلمانوں کی حصہ داری کیوں نہیں بتائی جاتی؟

اس بات پر سبھی کو حیرت ہوگی کہ ہندوستانی فوج کو اس کا علم ہی نہیں کہ اس میں مسلمانوں کی کتنی تعداد ہے یا دوسرے الفاظ میں اس کے پاس فوج میں مسلمانوں کے اعداد وشمار نہیں ہیں۔ یہ بات اس وقت اور بھی حیرت انگیز ہوجاتی ہے جب فوج میں بھرتی کے وقت مذہب کی نشاندہی کرائی جاتی ہے۔ پھر ضرورت کے تحت مذہبی امور کی ادائیگی کے لئے صاحب علم ومذہب کا تقرر کیا جاتا ہے۔ مذکورہ انکشاف اس وقت ہوا جب گزشتہ ۱۳ رفروری کو ایک نوجوان آر ٹی آئی کارکن سید علی اختر نے حق اطلاعات قانون کے تحت راجدھانی دہلی کے سینا بھون سے مذکورہ جانکاری طلب کی اور اسے جو جواب ملا اس سے اسے سخت مایوسی ہوئی۔

رپورٹ کے مطابق سید علی اختر نے حق اطلاعات قانون کے تحت فوج سے دیگر جانکاریوں کی طلبی کے ساتھ مذکورہ اعداد وشمار عام کرنے کی مانگ کی تاکہ پتہ چل سکے کہ فوج جسے ملک کا سب سے بڑا محب وطن اور وفادار سمجھا جاتا ہے اور اس پر ملک کی حفاظت کی بہت بڑی ذمہ داری ہے اور جسے ذات پات، علاقائیت اور مذہبی بھید بھاؤ سے بالکل پاک سمجھا جاتا ہے، اس میں مسلمانوں کی کتنی حصہ داری ہے۔ عرضی گزار کے مطابق سینا بھون نے پہلے تو اس سوال کو ٹالنے کی کوشش کی اور عرضی گزار کو ہی الٹے سیدھے سوالات میں الجھایا تاکہ وہ اپنے بنیادی سوال سے باز آجائے یا آگے کوئی سوال کرنے کا اہل نہ رہے۔ مذکورہ سوال کے جواب میں فوج کی طرف سے کرنل پردیپ بشٹ نے عرضی گزار کو خط لکھا کہ مذکورہ سوال کا جواب پانے کے لئے پہلے آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ آپ ہندوستانی ہیں اور اس کے پختہ ثبوت پیش کرنے ہوں گے۔ جب عرضی گزار نے سینا بھون کی یہ شرط پوری کردی تو وہاں سے دوسرا مایوس کن جواب یہ ملا کہ ہمارے پاس اس بات کے اعداد وشمار نہیں ہیں کہ فوج میں مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے اور یہ جواب لیفٹننٹ کرنل آر بالاجی نے دیا۔

عرضی گزار نے اس کے علاوہ بھی کئی سوالات کئے تھے ان کا بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ مثلاً قوم میں سکھ رجمنٹ، جاٹ رجمنٹ وغیرہ کی طرح پٹھان رجمنٹ کیوں نہیں ہے۔ اسی طرح صوبوں کی رجمنٹ کی طرح اُترپردیش رجمنٹ کیوں نہیں ہے۔ اس بابت لیفٹیننٹ کرنل آر بالاجی کا کہنا ہے کہ رجمنٹ کی نامزدگی آزادی سے قبل کی ہے۔ آزادی کے بعد حکومت کی پالیسی کے مطابق سبھی صوبے، اقوام اور مذاہب برابر ہیں اس لئے اب ذات پات، مذہب اور علاقائیت کی بنیاد پر رجمنٹ بنانا ممکن نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب اس طرح کے رجمنٹ بنا کر بھید بھاؤ اور تفریق کی پالیسی نہیں اپنائی جاسکتی۔ لیکن جو تفریق پہلے سے جاری ہے اور جو امتیازی سلوک کی علامت بنی ہوئی ہے کیا اس کو بھی ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ آخر ایسی کون سی پالیسی ہے جو اس تفریق کو ختم کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ اور ذات پات، مذہب اور علاقائیت کی بنیاد پر تفریق کی جو پالیسی آزادی سے قبل اختیار کی گئی تھی آج بھی اس پر من وعن عمل کیا جارہا ہے۔ صرف اس میں اضافہ نہیں کیا جارہا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ سکھ رجمنٹ، جاٹ رجمنٹ اور دیگر رجمنٹ کیوں بنائے گئے بلکہ ان رجمنٹوں کو ان ہی ذات وبرادری، مذہب اور علاقہ سے مخصوص کیوں کردیا گیا ہے۔ ان رجمنٹوں میں ان کے علاوہ لوگوں کو شامل کیوں نہیں کیا جاتا یا تو سبھی کے لئے الگ رجمنٹ بنائے جائیں یا کسی کے لئے کوئی مخصوص رجمنٹ نہ رکھا جائے، جس سے دوسروں کو امتیازی سلوک کا احساس ہو۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو برابر کیا جاتا ہے۔ لیکن فوج اور حکومت کی طرف سے آج تک اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا گیا اور امتیازی سلوک کی پالیسی پر عمل جاری ہے۔

فوج میں مسلمانوں کی حصہ داری کا مسئلہ اس وقت بھی اٹھا تھا جب وزیر اعظم منموہن سنگھ کی طرف سے مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور تعلیمی حالات کا جائزہ لینے کے لئے تشکیل دی گئی اعلیٰ سطحی سچر کمیٹی نے اس بابت دیگر سرکاری محکموں کے ساتھ فوج سے بھی سوالات کئے اور اعداد وشمار معلوم کئے تو اس وقت بی جے پی نے یہ کہہ کر اس پر ہنگامہ کیا تھا کہ اب فوج میں بھی حکومت اقلیت نوازی کی پالیسی اپنا رہی ہے جو ایک خطرناک رجحان ہے۔ اس وقت حکومت کے اہلکاروں نے سچر کمیٹی کے قدم کا دفاع کیا تھا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ سچر کمیٹی کی رپورٹ میں بھی اس بابت تفصیل سے اعداد وشمار نہیں پیش کئے گئے اور حقائق پر پردہ پڑا رہا ہے۔ اب حق اطلاعات قانون کے تحت ایک نوجوان نے اس پردے کو اٹھانے کی کوشش کی تو اسے مایوسی ہوئی۔

ہمیں فوج کی وفاداری، دیانتداری اور اخلاص پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور مذکورہ حقائق کو سامنے نہیں لایا جاتا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جب فوج میں بھرتی کے لئے مذہب کی نشاندہی کرنا ضروری ہے پھر آگے کی کارروائی یا فوجیوں کی ضروریات اسی کے حساب سے پوری کی جاتی ہیں تو کیا یہ مذہب کی نشاندہی صرف فارم کی خانہ پری تک محدود رہتی ہے اور مجموعی طور پر مذہبی بنیاد پر فوجیوں کا ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ جب کہ دوسری طرف درج فہرست ذات وقبائل کے اہلکاروں کی ہی نہیں ان کی خالی اسامیوں کا ریکارڈ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ آخر وہ کس بنیاد پر ہوتا ہے۔ فوج میں مسلمانوں کے اعداد وشمار نہ بتانے کی دو ہی وجوہ ہوسکتی ہیں جیسا کہ سوال پوچھنے والے سید علی اختر نے اپنے ردعمل میں کہا ہے کہ یا تو فوج میں مسلمانوں کی نمائندگی زیادہ ہوگی جس کا امکان کم ہی ہے یا کم ہوگی۔ زیادہ ہونے کی صورت میں فوجی اہلکار اس لئے حقائق سامنے نہیں لارہے ہیں کہ اس سے ان لوگوں کے منھ بند ہوجائیں گے جو مسلمانوں کی دیش بھکتی پر شبہ کرتے ہیں اور ان کے پیروں تلے زمین کھسک جائے گی جب پورے ملک کو پتہ چلے گا کہ مسلم فوجی ملک کی حفاظت کا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں اور اگر مسلمانوں کی نمائندگی کم نکلی جس کا امکان زیادہ ہے تو اس حقیقت کا پردہ فاش ہوجائے گا کہ فوج میں بھرتی کے وقت مسلمانوں کے ساتھ متعصبانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ جس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور کسی نہ کسی بہانے مذکورہ سوال کو ٹال دیا جاتا ہے۔
●●

عراق جنگ کی جانچ ہوگی/ برطانیہ

لندن- برطانوی وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ جولائی میں برطانوی فوج کے عراق سے مکمل انخلاء کے بعد عراق جنگ کی جانچ کرائی جائے گی۔ عراق میں چھ برس پہلے شروع ہونے والی جنگ کی جانچ کرانے کے معاملے میں برطانوی حکومت پر کافی دباؤ ہے لیکن حکومت یہی بات کہتی رہی ہے کہ وہاں برطانوی فوج کے قیام تک ممکن نہیں ہے۔ وزیر خارجہ نے پارلیمنٹ میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ حکومت ۳۱ رجولائی کے بعد جلد سے جلد جانچ کرانے کا وعدہ کرتی ہے۔ اس وقت تقریباً چار ہزار برطانوی فوجی عراق شہر بصرہ میں تعینات ہیں جب کہ ۲۰ رمارچ ۲۰۰۳ کو عراق پر حملے کے لئے برطانیہ نے ۴۵ ہزار فوجی بھیجے تھے جو مرحلے وار واپس ہوگئے۔ عراقی حکومت کے ساتھ معاہدے کے تحت اس سال جولائی میں برطانوی فوج کا مکمل انخلاء ہوجائے گا۔

عالم اسلام کو شدید چیلنج درپیش

مکہ مکرمہ- سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ نے کہا ہے کہ ہمیں ملکی سطح پر ہی نہیں بلکہ عالم عرب واسلام کی سطح پر بھی چیلنج درپیش ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ ہم بیدار رہیں۔ ایک طرف ہمیں اسرائیلی جارحیت کا سامنا ہے جس نے علاقے میں بدامنی پھیلا رکھی ہے تو دوسری طرف ہماری سامنے فلسطینی بھائیوں کے اختلافات ہیں۔ یہ فلسطینی کاز کے لئے اسرائیلی جارحیت سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں، علاوہ ازیں عربوں اور مسلمانوں کے اختلافات کے خطرات بھی ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں اس سے دشمن خوش اور دوست رنجیدہ ہیں۔

مذہبی اہانت کے خلاف تجویز

جنیوا- تقریباً ۲۰۰ افراد اور میڈیا گروپوں سے وابستہ دانشوروں نے اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کونسل سے کہا ہے کہ وہ اسلامی ممالک کی جانب سے پیش کی گئی اس تجویز کو مسترد کردے جس میں انہوں نے عالمی پیمانے پر ایک ایسا قانون تیار کرنے کی مانگ کی ہے جس کے ذریعہ مذہبی رہبروں اور مختلف ادیان کی اہانت سے لوگوں کو روکا جاسکے۔ واضح رہے کہ ۵۶ مسلم ممالک پر مشتمل آئی سی کی جانب سے پاکستان نے مذکورہ تجویز میں مطالبہ کیا ہے کہ اسلام پر روزانہ انسانی حقوق کی پامالی اور دہشت گردی کے جھوٹے اور من گھڑت الزام لگائے جارہے ہیں۔ اس لئے یہ لازمی ہے کہ مذہب کی اہانت اور فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے والی ایسی حرکتوں پر لگام کسی جائے۔

غزہ پر فاسفورس بموں کا استعمال

غزہ- انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ اسرائیل نے غزہ پر حملے کے دوران قصداً جنگ کے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فاسفورس بم استعمال کئے۔ جو شہریوں کی ہلاکت کا سبب بنے۔ نیویارک میں قائم انسانی حقوق کی اس تنظیم نے غزہ پر اسرائیلی حملے کے فوراً بعد انکوائری کی تھی اور اسی کی روشنی میں یہ الزام عائد کیا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کا کہنا ہے کہ اسرائیل کی کارروائی جنگی جرائم کے زمرے میں آتی ہے۔ جب کہ اسرائیل کا کہنا ہے کہ اس نے غزہ پر حملے کے لئے جو ہتھیار استعمال کئے وہ جنگی قوانین کے دائرے میں رہ کر کئے اور اس نے غیر ضروری ہلاکتوں سے بچنے کی پوری کوشش کی۔ ہیومن رائٹس واچ کے اہلکاروں کو سفید فاسفورس بموں کے خول گلیوں، رہائشی عمارتوں کی چھتوں اور اقوام متحدہ کے ایک اسکول سے بھی ملے۔ یہ تمام فاسفورس بم امریکہ میں بنائے گئے تھے جو اس نے اسرائیل کو فراہم کئے تھے۔ واضح رہے کہ معاملے کی انکوائری اسرائیل نے بھی کی تھی لیکن اس نے اپنی رپورٹ عام نہیں کی۔

امن کیلئے عالمی منظرنامے کو سمجھنا ضروری ہوگا

امریکی صدر بارک اوباما کا یہ بیان کہ ان کا ملک افغانستان سمیت دیگر جگہوں پر بھی دہشت گردوں کے خلاف اپنا جارحانہ رویہ برقرار رکھے گا، یقیناً ان لوگوں کے لئے حیرت کا باعث ہوسکتا ہے جو کہ کسی بھی تبدیلی سے بہت جلد متاثر ہوجاتے ہیں۔ امریکہ میں اقتدار کی منتقلی کے وقت مسلم دنیا میں ایک بڑی تعداد خوشی کا اظہار کررہی تھی۔ ایسا ہی منظر جارج بش کے بعد بل کلنٹن اور ان کے بعد جارج واکر بش کے اقتدار سنبھالتے وقت بھی دیکھنے کو ملا تھا جس کے بعد کرب والم اور مایوسی کا عالم ساری دنیا نے دیکھا۔ امریکی صدر کا یہ بھی کہنا کہ آئندہ برسوں میں دہشت گردی سے مقابلے کے لئے امریکہ کو مزید منظم، متحد اور منصوبہ بند پالیسی بنانے کی ضرورت پڑے گی۔ آسٹریلیا کے وزیر اعظم کیوین روڈ سے ملاقات کے دوران افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دہشت گرد تنظیموں کو ختم کرنے کے لئے جارحانہ رویہ اختیار کرنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ امریکی صدر نے مزید کہا کہ امریکہ کو القاعدہ سے خطرات ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں اس لئے معاملے کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ جہاں جہاں دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں ہم وہاں جارح بنے رہیں اور دہشت گردی کے ڈھانچہ کے خاتمے کو یقینی بنائیں۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ کام سخت ہے اور اس کی طرف خصوصی طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ امریکی صدر کا یہ بھی کہنا ہے تھا کہ اس سلسلے کی نئی پالیسی کو آخری شکل دی جارہی ہے۔ امریکی صدر پہلے ہی افغانستان میں مزید سترہ ہزار فوجیوں کو تعینات کرنے کا حکم دے چکے ہیں۔ عراق اور دیگر ممالک کے تعلق سے بھی ان کے بیانات آئے ہیں اور اب یہ بیان سامنے ہے۔ اس سے ایک طرف جہاں امریکی عزائم کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ امریکہ میں اقتدار اور شخصیات کی تبدیلی سے پالیسی نہیں بدلتی۔ امریکہ ایک عرصے سے جس خاص طبقے کو نشانہ بنائے ہوئے ہے آج بھی وہی نشانے پر ہیں آئندہ بھی کسی بڑی تبدیلی کے امکانات نظر نہیں آتے البتہ یہ ضرور ہے کہ تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی منظرنامہ کی وجہ سے اب اسے اپنے جارحانہ مقصد میں عالمی برادری سے وہ تعاون نہیں ملے گا جو کہ اس سے قبل حاصل ہوا تھا۔ اور اس کے بعد اس نے عالم اسلام کے ایک خطہ کو تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ امریکی پالیسیوں پر نکتہ چینی میں بھی دن بہ دن اضافہ ہی ہورہا ہے اور اس کے اثرات بھی نمودار ہورہے ہیں۔ اس لئے کسی بھی غیر دانشمندانہ اقدام سے پہلے امریکہ کے لئے مناسب یہی ہوگا کہ وہ زمینی حقائق کو سمجھے اور اپنی پالیسی میں مثبت تبدیلی لائے اور دنیا میں قیام امن کے لئے بھی یہ چیز ضروری ہے۔

دہشت گردی کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ سبھی جانتے ہیں کہ اس کا اصل محور کون ہے اور کون دہشت گردی کے سب سے بڑے مرکز اسرائیل کی پشت پناہی کرتا ہے۔ نائن الیون کی کہانی بھی لوگوں کے گلے سے اب تک نہیں اُتر سکی ہے۔ معدنیات کے لئے افغانستان کی تباہی اور تیل کی خاطر عراق کی بربادی بھی دنیا کے سامنے ہے۔ ان دونوں ممالک کی تباہی کے لئے کون ذمہ دار ہے۔

دیگر اسلامی ممالک پر دباؤ اور دھمکیوں کا سلسلہ اب بھی جاری ہے جب تک یہ سارے سلسلے موقوف نہیں ہوتے اور بے قصوروں کو تباہ وبرباد کرنے کا سلسلہ بند نہیں ہوتا اس وقت تک امن کا تصور ہی بے معنی ہے اس لئے امریکہ کے موجودہ صدر اگر واقعی قیام امن کے لئے مخلص ہیں اور اس تعلق سے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سابق صدور کی روش سے گریز کرتے ہوئے جرأت مندی کے ساتھ ظلم وجارحیت کی پالیسی کو بدلنے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ حالانکہ یہ کام موجودہ امریکی صدر کے لئے آسان نہیں ہوگا۔ وہ اس لئے کہ امریکہ کے اقتدار اعلیٰ پر گرچہ ایک چہرہ متمکن نظر آتا ہے لیکن حالات سے باخبر لوگ خوب جانتے ہیں کہ امریکہ میں اقتدار کا اصول مرکز ومحور یہودی لابی ہے۔ جس کا امریکہ کی معیشت پر تقریباً مکمل کنٹرول ہے اور داخلی وخارجہ پالیسی گوکہ اس کے آزاد اور غیر جانبدار ہونے کے دعوے خوب کئے جاتے ہیں لیکن اسی طبقہ کے زیر اثر تیار ہوتی ہے۔ اگر کوئی حکمراں ان کے مفادات کو نظر انداز کرنے کی کبھی کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام برا ہوتا ہے۔ دوسرے موجودہ صدر کی نسل ونسب کے تعلق سے انتخابات سے پہلے بھی یہودی لابی سخت تنقید کرتی رہی ہے۔ اور بارک اوباما اس سلسلہ میں خود کو کافی دباؤ میں بھی محسوس کرتے ہیں۔ انتخابات کے وقت اسلام ومسلمانوں کے بارے میں ان کے بعض سخت بیانات اس کے شاہد ہیں اور اس وقت وہ جو کچھ کررہے ہیں اور مستقبل کے منصوبے کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ کی مسلم دشمنی میں فی الحال کسی تبدیلی کے امکانات نظر نہیں آتے بلکہ اس میں اضافے کا خدشہ بھی ظاہر کیا جارہا ہے۔ امریکی صدر کے اس جملے سے کہ ''جہاں جہاں دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں ہم وہاں جارح بنے رہیں۔'' اس کا اشارہ ملتا ہے کہ کسی مخصوص طبقہ کی پالیسی پر کاربند ہونے کے بجائے امریکہ کے لئے یہ دیکھنا بہتر ہوگا کہ کیا موجودہ حالات، ملک کی معیشت اور بین الاقوامی رائے عامہ کیا اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ جارحیت پر نہ صرف قائم رہے بلکہ اس کے دائرہ کار کو مزید وسیع کرے۔
●●

بلاتبصرہ

ریگنگ کی وجہ سے اور کتنے طلبہ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا؟ حکومت اور تعلیمی ادارے اس معاملے میں اب بھی سنجیدہ نہیں معلوم ہوتے۔ قانون بنا کر انہوں نے اپنا دامن جھاڑ لیا ہے۔ سب سے شرمناک بات تو یہ ہے کہ ریگنگ سے تنگ آکر مرنے والے طلبہ کی تعداد ان تعلیمی اداروں میں کہیں زیادہ ہے جہاں روشن دماغ طلبہ کی بھرتی کی جاتی ہے۔

پرتھا کماری، نئی دہلی
نوبھارت ٹائمس ۲۶ رمارچ ۲۰۰۹ء

خبر ونظر

خدا پر ایمان کی بحث

ملک کی عیسائی برادری کے کچھ حلقوں میں آج کل یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ خدا کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں کون بہتر ہیں۔ کن کی سیاست قابل قبول ہے۔ یہ بحث چھڑی ہے کیتھولک بشپس کانفرنس آف انڈیا کے صدر کارڈینل وتایاتل کے اس ریمارک کے بعد کہ کمیونسٹ پارٹیوں کے مقابلے میں بھارتیہ جنتا پارٹی کم بُری ہے۔ ۸۲ سالہ کارڈینل نے یہ بات کیرلا میں اپنے حالات زندگی پر شائع شدہ ایک کتاب کا اجراء کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہی تھی۔ اس پر بمبئی کی بامبے کیتھولک سبھا اور کچھ دوسرے کیتھولک حلقوں نے شدید ردعمل ظاہر کیا (انڈین ایکسپریس ۲۳ رمارچ) تاہم بعض عیسائی دانشور کارڈینل کے دفاع میں بھی بولے۔ ان کا کہنا ہے کہ کارڈینل وتایاتل کا یہ ریمارک ایک علمی ریمارک ہے اور ان کا مطلب یہ تھا کہ خدا کو نہ ماننے والوں سے خدا کے ماننے والے بہتر ہیں۔ ویسے کارڈینل غریبوں کی خدمت کے لئے کمیونسٹوں کے بھی قدرداں ہیں۔ اپنی اسی کتاب میں انہوں نے ان کی جابجا تعریف بھی کی ہے۔ حامیوں کے مطابق، اس ریمارک سے ان کا مقصد صرف اس تاریخی حقیقت کا اظہار کرنا تھا کہ خدا پر ایمان نہ رکھنے والوں سے خدا پر ایمان رکھنے والوں کی حکومت بہتر ہوتی ہے۔

خیال درست ہے لیکن

عیسائی پیشوا کا خیال بالکل درست ہے۔ لیکن اچھا ہوتا اگر وہ یہ بات اصولی طور پر کہہ کر رک جاتے، بی جے پی کا حوالہ نہ دیتے۔ حوالہ دینے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس پارٹی کو ایشور میں وشواس رکھنے والی پارٹی سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ پارٹی اور اس کا پورا پریوار ایک ایسے بھگوان پر وشواس رکھتا ہے جو اسے اجودھیا میں مسجد توڑ کر اسے مندر میں بدلنے، اڑیسہ میں عیسائی مشنری کے معصوم بچوں کو زندہ جلانے، گجرات میں آگ وخون کا بازار گرم کرنے اور کندھ مال میں چرچوں کو آگ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ جیسا کہ مشہور کیتھولک دانشور ڈاکٹر جان دیال نے کارڈینل وتایاتل کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے ''بی جے پی جو کہ زہریلے سنگھ پریوار کا سیاسی چہرہ ہے، بُرے کاموں میں اپنے ہاتھ پلید کرتی ہے اور اسے اس پر افسوس بھی نہیں ہوتا۔ ہندوستانی سیاست میں ان لوگوں سے بدتر کون ہوگا۔'' لیکن بی جے پی کے اس عمل کی بنیاد پر ہندو دھرم کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا درست نہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پارٹی اپنے سیاسی ایجنڈے کے لئے دھرم اور اس پر وشواس رکھنے والوں کے جذبات کا استحصال کررہی ہے۔ ہاں دھرم میں اس کا وشواس بس اُس کے ورن ویوستھا والے حصے پر ہے۔

بشپ کے تبصرے کا دوسرا پہلو

اب ذرا کیتھولک بشپ کی اصولی بات کو تولا جائے کہ ''خدا پر ایمان رکھنے والوں کی حکومت ایمان نہ رکھنے والوں کی حکومت سے بہتر ہوتی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ان کے ذہن میں یقیناً خدا کا وہی تصور ہوگا جو پوری عیسائی دنیا رکھتی ہے یعنی خدا رحیم وکریم ہے۔ لیکن عیسائی دنیا کا سب سے بڑا لیڈر امریکہ آج مشرق وسطی میں کیا کررہا ہے۔ عراق اور وہاں کے انسانوں کو اس نے کیوں تباہ وبرباد کیا، افغانستان پر قبضہ کیوں کیا، نہتے فلسطینیوں پر اسرائیل کے مظالم کی حمایت کیوں کررہا ہے۔ پوری دنیا میں اسلام اور باعمل مسلمانوں کی کردارکشی کے لئے ہر جھوٹ، فریب، عیاری، مکاری اور ظلم وستم کا سہارا کیوں لے رہا ہے۔ ابوغریب جیل اور گوانتاناموبے میں بے بس انسانوں پر مظالم کی داستان کس نے رقم کی ہے۔ کیرلا کے بشپ شاید یہ کہیں کہ امریکہ اور برطانیہ کیتھولک نہیں، پروٹسٹنٹ ہیں۔ لیکن پوپ بینڈکٹ تو کیتھولک پیشوا ہیں۔ ان مظالم پر وہ کیوں خاموش رہتے ہیں؟ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے تو ایک غیر جانبدار مبصر کہہ سکتا ہے کہ اگر بی جے پی بھارت میں دھرم کا استحصال کررہی ہے تو امریکہ دنیا بھر میں عیسائیت کو استعمال کررہا ہے۔ یا پھر کیا یہ کہا جائے کہ کارڈینل کے نزدیک بی جے پی کا طرز عمل اس لئے غلط نہیں کہ عالمی کیتھولک پیشوا کے نزدیک بھی عیسائیت کا استحصال غلط نہیں ہے؟ (پ ر)

یوپی اے کا بکھراؤ

اطلاعات کے مطابق اب پی ایم کے نے بھی کانگریس کا ساتھ چھوڑنے کا باقاعدہ اعلان کردیا ہے اور یوں یوپی اے کا بکھراؤ تیزی سے جاری ہے۔ پی ایم کے نے نہ صرف یوپی اے سے علیحدگی کا اعلان کیا ہے بلکہ اس نے جے للتا سے ناطہ جوڑنے کا ارادہ بھی ظاہر کردیا ہے۔ اسی طرح کانگریس سے دوری اختیار کرنے والی پارٹیوں کی تعداد آدھے درجن سے بھی زیادہ ہوچکی ہے۔ یوپی اے سے باضابطہ ناطہ توڑ لینے والوں یا اس سے دوری پیدا ہوکر لینے والی پارٹیوں میں اب تلنگانہ راشٹر سمیتی، ایم ڈی ایم کے، پی ڈی پی، سماج وادی پارٹی، آر جے ڈی اور ایل جے پی شامل ہوگئی ہیں۔ واضح رہے کہ ۲۰۰۴ء کے عام انتخاب کے وقت کانگریس نے جن پارٹیوں کے سامنے اتحاد کیا تھا ان کی تعداد چودہ تھی، اب ۲۰۰۹ء میں وہ تعداد نصف سے بھی کم ہوگئی ہے۔ اب تک ڈی ایم کے، این سی پی اور جے ایم ایم کانگریس کے ساتھ ہیں۔ سب سے پہلے ٹی آر ایس نے یوپی اے سے علیحدگی کا اعلان کیا، اس کے بعد ایم ڈی ایم کے نے اس سے رشتہ توڑا پی ڈی پی اس کے بعد اس سے الگ ہوئی اور اب پی ایم کے نے اس کا اعلان کیا ہے۔ جو پارٹیاں اس سے دور ہوئی ہیں ان میں سماج وادی پارٹی، راشٹریہ جنتا دل اور لوک جن شکتی پارٹی شامل ہیں۔ یوں دیکھا جائے تو شمالی ہندوستان اور جنوبی دونوں جگہ یوپی اے کو جھٹکا لگا ہے۔ جہاں راشٹریہ جنتا دل، سماج وادی پارٹی اور لوک جن شکتی پارٹی کا تعلق شمالی ہند سے ہے تو ایم ڈی ایم کے، ٹی آر ایس اور پی ایم کے کا تعلق جنوبی ہند سے ہے اور ان میں سے کس کو بھی غیر اہم نہیں کہا جاسکتا۔ اترپردیش میں سماج وادی پارٹی ایک فیصلہ کن عامل ہے تو بہار میں راشٹریہ جنتا دل کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہیں۔ سماج وادی پارٹی کے ساتھ اس کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکا ہے۔ اور مایاوتی کی بہوجن سماج پارٹی کے ساتھ بھی کسی طرح کی مفاہمت نہیں ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح بہار میں راشٹریہ جنتا دل کے ساتھ سمجھوتہ نہیں ہوسکا۔ دوسری طرف ملائم سنگھ وولالو یادو اور رام بلاس پاسوان کے درمیان مفاہمت طے پاچکی ہے۔ اس لئے ایسا لگتا ہے کہ ان دونوں بڑی ریاستوں میں کانگریس تنہا کھڑی نظر آئے گی۔

جنوب میں آندھرا پردیش، تمل ناڈو اور کرناٹک میں بھی یہ تنہا نظر آرہی ہے۔ کرناٹک میں اس کا ابھی تک کسی سیاسی پارٹی کے ساتھ کوئی انتخابی سمجھوتہ نہیں ہوا ہے۔ وہاں بی جے پی کی سربراہی والی مخلوط حکومت قائم ہے، تمل ناڈو میں اس کے جو ساتھی تھے وہ دھیرے دھیرے اس سے الگ ہوچکے ہیں، پہلے ایم ڈی ایم کے نے ساتھ چھوڑا اور اب پی ایم کے نے اس کا اعلان کیا ہے، بس ڈی ایم کے اس کے ساتھ ہے اور اس وقت وہاں ڈی ایم کے کی حکومت بھی ہے۔ اگر ریاستی حکومت کی کارکردگی سے وہاں کے عوام ناراض ہوئے تو اس کا اثر ووٹوں کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کانگریس بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ کیرلا میں اس وقت بائیں بازو محاذ کی حکومت ہے، مسلم لیگ اگرچہ مرکز میں کانگریس کے ساتھ ہے لیکن وہاں کے حالات تبدیل ہورہے ہیں۔ خود بائیں بازو محاذ کے اندر بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ آندھرا پردیش میں کانگریس نے اسمبلی انتخابات میں بہت اچھا کیا تھا لیکن اب اس کے اثرات زائل ہورہے ہیں، کیونکہ ٹی آر ایس اس سے علیحدہ ہوچکی ہے۔ حالانکہ اب ٹی آر ایس کی کشش بھی ماند پڑچکی ہے تاہم علیحدگی پسندی کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ کانگریس کے انداز سے ایسا محسوس بھی

باقی صفحہ ۸ پر

پندرہویں لوک سبھا کا انتخاب اور ہماری حکمت عملی

ڈاکٹر حسن رضا، رانچی

پندرہویں لوک سبھا کے انتخاب کا اعلان ہوچکا ہے اور بس ڈیڑھ ماہ کے اندر فیصلہ ہوجائے گا کہ سیاسی قوت کے سب سے بڑے مرکز پارلیمنٹ میں کس کی اکثریت ہوگی؟ یو پی اے کی یا این ڈی اے کی۔ ہمیں اس سلسلے میں کسی قسم کے کنفیوژن کا شکار نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی تیسری سیاسی قوت یا مورچہ اس ڈیڑھ ماہ میں اتنی قوت حاصل کرسکے گا جو مرکز کے اقتدار پر قابض ہوجائے یا غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوسکے۔ جو لوگ اس وقت تیسرے مورچے کی بات کررہے ہیں ان کی یہ سیاسی مجبوری ہے یا ہم جیسے لوگوں کی سیاسی تمنا جس کا اکثر خون ہی ہوا ہے۔ تیسرے مورچے کا مطلب یہ نہیں کہ الیکشن کے وقت جن پارٹیوں کا سیٹ ایڈجسٹمنٹ این ڈی اے یا یو پی اے کے ساتھ نہ ہوا ہو وہ لوگ مل کر تیسرا مورچہ بنالیں۔ تیسرے مورچے کا مطلب یہ ہے کہ پالیسی کی بنیاد پر مختلف سیاسی پارٹیاں ایک پلیٹ فارم پر آئیں۔ عوامی ایشوز کو خطاب کریں اور سیاسی جدوجہد میں حصہ لیں۔

اصل میں گزشتہ ساٹھ برسوں میں ملک کی سیاسی پارٹیوں نے اقتدار پر قابض رہنے کے لئے، مفاد پر مبنی گٹھ جوڑ اور کرسی کی آپا دھاپی کا جو کھیل کھیلا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کی انتخابی سیاست قدروں سے خالی بس جمہوری تماشا بن کر رہ گئی ہے۔ نہ کسی اصول ونظریہ پر بحث ہے نہ کسی پالیسی و پروگرام پر اظہار خیال اور نہ کوئی قیادت ہے آج عوام کو ایسے مقام پر کھڑا کردیا گیا ہے جہاں اس کے سامنے الیکشن کے موقعے پر بہت کم گنجائش رہ گئی ہے۔ کوئی ایسی سیاسی قوت نہیں ہے جو صحیح معنوں میں جمہوری سیاسی امنگوں اور عزائم کی مرکز توجہ بن سکے۔ جمہوری ملک میں ایسی سیاسی صورتحال کا بن جانا کہ عوام بے بس ہوکر رہ جائیں اور ان کے پاس اپنے آزادانہ جمہوری عزائم کیلئے سیاسی پلیٹ فارم نہ ہو انتہائی افسوسناک ہے۔ بہرحال یہ تو ایک طویل المیعاد، سیاسی جدوجہد کا ایجنڈا ہے اس وقت مسئلہ حالیہ الیکشن کی حکمت عملی اور فوری فیصلے کا ہے۔

لہٰذا پندرہویں لوک سبھا کے سلسلے میں فیصلہ کرتے وقت ہم خواب وخیال کی دنیا میں رہ کر جمہوریت پر فلسفہ طرازی نہیں کرسکتے۔ ہمارے سامنے ایک تلخ حقیقت ہے اور ہمیں یہ صورتحال کتنی ہی ناپسند ہو ہمیں اسی میں سے اپنے مستقبل کی تعمیر کی راہیں نکالنی اور فیصلے کرنے ہیں۔ یہ آزاد ہندوستان کا پہلا پارلیمانی انتخاب نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی آزادی کے ساٹھ برسوں میں انتخابات کے کئی مراحل سے گزر کر ہم یہاں پہنچے ہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ آج فیصلہ کرتے وقت پچھلے تجربوں سے بھی استفادہ کریں اور دیکھیں کہ کب اور کہاں غلطی ہوئی تاکہ آئندہ ہم اس غلطی کو نہ دہرائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ غیر کانگریس واد کا تجربہ ۱۹۶۷ء کے الیکشن میں لوہیا جی نے پرزور طریقے سے شروع کیا تھا اس وقت اس پہل کا اپنا ایک سیاسی منظر نامہ تھا۔ آزادی کے بعد لگاتار کانگریس اقتدار پر قابض چلی آرہی تھی۔ لہٰذا ہندوستان کی جمہوریت میں حاشیے پر جو لوگ تھے ان کی شرکت اور حصہ داری کا مسئلہ تھا اس کے بعد سیاسی گٹھ جوڑ کا جو چلن شروع ہوا وہ جے پی آندولن اور ایمرجنسی کے بعد ۱۹۷۷ء میں غیر کانگریسی حکومت یعنی جنتا دل کی شکل میں پہلی دفعہ ہندوستانی پارلیمنٹ میں سامنے آیا، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہندوستانی سیاست میں اچھوت بنے ہوئے کمیونل فاشزم کی جڑیں بھی اسی وقت سے مضبوط ہونی شروع ہوئیں۔ ایمرجنسی نے ہندوستان میں جمہوریت کی بقا کا جو سوال اٹھا دیا تھا اس سوال کے جواب میں سیاسی لیڈران نے فاشزم کے خطرے کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ انھوں نے اس کو محض مسلمانوں اور اقلیتوں کی حد تک خطرہ سمجھا۔ پورے ہندوستان کے جمہوری نظام اور تکثیری سماج کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا جیسا کہ آج ہم لوگ دیکھ رہے ہیں۔ بین الاقوامی صورتحال بھی اس وقت آج کی طرح ایک قطبی نہیں تھی۔

بہرحال اس کے دس سال کے بعد ۱۹۸۹ء میں وی پی سنگھ کی سرکار کے سہارے انڈین فاشزم کو مزید تقویت حاصل ہوئی۔ سماجی انصاف (Social Justice) کی قوتوں نے بھی اقتدار اور کرسی کی ہوس میں اس کو مسلمانوں اور اقلیتوں کا مسئلہ سمجھ کر مجرمانہ چشم پوشی کی اور بروقت اس کا بھرپور نوٹس نہیں لیا۔ دوسری طرف منڈل کی سفارشات کے پس منظر میں ہندوستانی سماج میں اونچی ذات کے حکمراں طبقے نے کانگریس کے سیاسی پلیٹ فارم پر اپنے مستقبل کو غیر محفوظ سمجھ کر بی جے پی کو متبادل کے طور پر اختیار کرلیا۔ اس طرح (Comunal fascism) کو نئی توانائی مل گئی، دوسری طرف جو لوگ اس کے مخالف تھے وہ اس سیاسی لڑائی کو ملک کے ہر طبقے اور ہر سطح کی لڑائی میں تبدیل نہیں کرسکے۔ بائیں بازو کی قوت نے یہ لڑائی جاری رکھی لیکن بدقسمتی سے ۱۹۵۱ء کے بعد ہی یہ خود آٹھ حصوں میں تقسیم ہوچکی تھیں۔ دلت اور پسماندہ سیاست انقلاب کے بجائے اقتدار اور کرسی کی لڑائی کے ارد گرد گٹھ جوڑ کے نام پر بنتی بگڑتی رہی۔ اس غیر یقینی صورتحال کا سب سے زیادہ فائدہ بی جے پی کو ہوا یہاں تک کہ ۱۹۹۶ء میں ۱۶۱ ممبر پارلیمنٹ کے سہارے باجپئی جی ایک سیکولر جمہوری ملک کے وزیراعظم کی کرسی پر براجمان ہوگئے۔ اس وقت چھوٹی اور علاقائی پارٹیوں میں دستور کی پاسداری کا خیال تھا کہ ان لوگوں نے 'تیرہ' دنوں سے زیادہ اس پارٹی کو اقتدار میں نہیں رہنے دیا۔ ان دنوں پارلیمنٹ میں جو بحث ہوئی تھی وہ آج بھی گواہی دیتی ہے کہ سیاسی اخلاقیات کی گراوٹ اس انتہا کو نہیں پہنچی تھی جتنی آج پہنچ چکی ہے۔ لیکن کانگریس کے اندر سے بلاشرکت غیرے اقتدار کی ہوس نے دیوے گوڑا، اندر کمار گجرال کسی کو ٹکنے نہیں دیا اور بالآخر اس نے ۱۹۹۸ء میں باجپئی کے لئے وزیراعظم بننے کی راہ ہموار کردی۔

اس وقت تک کانگریس کے اندر سیاسی وسعت پیدا نہیں ہوئی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اب ہندوستانی سیاست میں اجتماعی شرکت کا دور آچکا ہے۔ جے للتا کی سیاسی ضد نے بالآخر قصہ پاک کیا اور این ڈی اے ایک ووٹ کی کمی کے سبب اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ لیکن ۱۹۹۹ء کے عام انتخاب میں اس نے اکثریت حاصل کرکے این ڈی اے کے نام پر پانچ سال حکمرانی کا دور پورا کیا اور اپنے خفیہ ایجنڈے کے تحت تعلیم، نصاب تعلیم، یونیورسٹی اور قوت کے دوسرے مراکز میں اپنی جڑیں مضبوط کرلیں اور ریاست کے دوسرے اداروں پر بھی قبضہ جمانے کا کام بھرپور طریقے سے کیا۔ دستور کا کردار بھی زیر بحث آیا۔ اسی زمانے میں اسرائیل اور صہیونیت کے ساتھ اس کا رشتہ استوار اور گہرا ہوا۔ یہی وہ دور ہے جس میں گجرات کا گھناؤنا حادثہ اور خونچکاں واقعہ سامنے آیا۔ اس کے بعد کرسچین مشنری کے ساتھ اور اڑیسہ کے واقعات سامنے آتے گئے اور اب مالیگاؤں اور دوسرے مقامات کے دھماکوں کے خفیہ تار کا راز بھی فاش ہورہا ہے۔ غرض یہ کہ ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۴ء تک اجتماعی زندگی کے اہم مراکز اور اداروں کے بھگوا کرن کا کام بھرپور طریقے سے اقتدار کی چھتر چھایا میں انجام پاتا رہا۔

یہ تو اچھا ہوا کہ ۲۰۰۴ء میں شائننگ انڈیا کا جادو نہیں چلا۔ اس وقت کانگریس بھی وہاں نہیں تھی جہاں ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۸ء میں تھی۔ اب اس نے کولیشن کے سیاسی آداب سیکھ لئے تھے۔ چنانچہ ۲۰۰۴ء میں یو پی اے نے ہاری ہوئی بازی جیت لی اور بائیں بازو کی پارٹیوں نے بھی وقت کی نزاکت کو سمجھا اور عوام نے بھی اس خطرے کو بھانپ لیا جو اب تک خفیہ ایجنڈے کے تحت انجام پا رہا تھا۔ جو چھن چھن کر ان پانچ برسوں میں منظر عام پر آگیا۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ شائع کرکے یو پی اے نے مسلم پسماندگی کو نیشنل ایجنڈے پر لا کھڑا کردیا۔ اور این ڈی اے کی ''اقلیت نوازی'' (Minority appeasement) کا جھوٹ سامنے آگیا۔ یو پی اے کے پانچ سال گزرنے کے بعد ۲۰۰۹ء میں پھر انتخاب ہورہا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے مسئلہ وہی ہے جو ۲۰۰۴ء میں تھا کہ حکومت کی تمام مشنریوں کا بھگوا کرن کرنے کا عمل ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۸ء، ۲۰۰۰ء سے جو باضابطہ شروع ہوگیا تھا، اس کی تکمیل کا راستہ صاف کردیا جائے یا اس عمل کی تابوت میں آخری کیل ٹھونک کر ہندوستان کی قسمت کا ایک اہم فیصلہ کردیا جائے تاکہ آئندہ کوئی فرقہ پرست قوت ننگی فرقہ پرستی کا کھیل کھیل کر کسی سیکولر فرنٹ کے سہارے ملک کی اجتماعی قوت کے سب سے بڑے مرکز پر قابض نہ ہوسکے۔ اس ملک کو قدرت نے مختلف قوموں، رنگوں، نسلوں، تہذیبوں، زبانوں اور مذاہب کا گہوارہ بنایا ہے۔ یہ ان تمام لوگوں کا ملک ہے جو اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے ہی رواداری اور اجتماعی انصاف کے علمبرداروں کو مرکز تک عوام کے ذریعے پہنچنے کا حق ہے۔

پندرہویں لوک سبھا کا اصل موضوع داخلی طور پر یہی ہے۔ اگر خدانخواستہ اس سلسلے میں مذہبی رواداری، سماجی انصاف، اقلیتوں کے حقوق کی لڑائی لڑنے والوں میں کسی طرح کا کنفیوژن ہوگیا تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ الیکشن کے بعد این ڈی اے جوڑ توڑ اور خرید وفروخت کے ذریعے اقتدار پر قابض ہوجائے گی۔ فاشزم کا ایک تلخ تجربہ یورپ میں Nationalism کے دور میں ہوا ہے۔

گلوبل استعمار، دہشت گردی کے پس منظر میں کمیونل فاشزم کا ہندوستان میں تجربہ ساؤتھ ایشیا کے لئے اور خود اپنے ملک کے لئے کتنے کڑوے کسیلے پھل اور اقلیتوں کو خاص طور پر کیسے کیسے زخم لگائے گا، کہنا مشکل ہے۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ سے مسلمانوں کی پسماندگی کی جو تصویر بنتی ہے اور بنانے کا خواب جو فرقہ پرستوں نے ابتدا سے دیکھ رکھا ہے اس کی تعبیر میں اس دفعہ کوئی کسر نہیں چھوڑی جائے گی۔ میں اندیشہ ہائے دور دراز کی طرف نہیں لے جارہا ہوں نہ خوف وگھبراہٹ اور عدم تحفظ کے احساسات کو زندہ کررہا ہوں لیکن جو حقیقت سامنے ہے اس کو بیان کررہا ہوں۔ لہٰذا اس پارلیمانی الیکشن کی حد تک مسلمانوں کو بھی کسی Non Issue میں نہیں الجھنا چاہئے اور قومی کشمکش کا کوئی ایجنڈا تو اٹھانا ہی نہیں چاہئے اور نہ کسی مقامی اور علاقائی Issues کو اہمیت دینی چاہئے۔ عام طور سے الیکشن کے موقع پر مختلف پارلیمانی حلقوں میں سیٹوں کی آپسی لڑائی، آزاد امیدواروں کے نام پر ذاتی اثرات کے گھٹنے بڑھنے کی رقابت بھی ابھر آتی ہے۔ اس طرح جماعتوں اور برادریوں کا باہمی تصادم، پیشہ ور دلالوں اور سیاسی خیرات وصول کرنے والوں کی اندرونی رسہ کشی مختلف سیاسی پارٹیوں کو باقی رکھنے کی مجبوری اور مافیا حضرات کو کالے دھن کو بچانے کے مواقع سب کام کرنے لگتے ہیں اور اس سے طرح طرح کے Confusion پیدا ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے بلند ہوکر ہمیں چاہئے کہ صحیح سمجھداری کے ساتھ آگے بڑھیں تاکہ ایسے ہندوستان کی تعمیر کرسکیں جس کی ترقی میں سب کی حصہ داری ہو اور سب کے ساتھ انصاف ہو۔ Comunial Fascism کی راہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہوجائے تب ہی ایک تھرڈ، ایک تیسرا اور عوامی فرنٹ بھی ابھر سکے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر انتخابی حلقے میں گلوبل استعمار کے پس منظر میں جو لوگ فرقہ پرستانہ فسطائیت کے خطرے کو بھرپور طور سے سمجھ چکے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر فیصلہ لیں۔ یو ایم ایف کو چاہئے کہ ہر جگہ انصاف ومحبت کمیٹی بنا کر ہندو مسلمان اور مختلف مسالک کے لوگوں کو بیٹھائے اور دیکھے کہ کون امیدوار اس حلقے میں فی الواقع فسطائیت والے فرنٹ کو شکست دے سکتا ہے اور آئندہ بھی فسطائیت کا آلۂ کار نہیں بن سکتا۔ یاد رکھئے کہ یہ الیکشن اس پہلو سے بہت اہم ہے اور اس میں کامیاب ہونے کے بعد ہی آگے کی راہیں نکلیں گی بشرطیکہ پھر ہم پانچ سال تک سونہ جائیں۔ ●●

امریکہ کی افغانستان پالیسی کے بدلتے رنگ

منصور اصغر راجہ

۲۰۰۱ء میں جب امریکہ اپنے حواریوں کے ہمراہ فاتح عالم کا خواب اپنی پلکوں پہ سجائے کابل وقندھار میں داخل ہوا تو کون کہہ سکتا تھا کہ آٹھ برس بعد یہی امریکہ طالبان کو مذاکرات اور بات چیت کی دعوت دینے پر مجبور ہوجائے گا۔ اس وقت یہ کہا گیا تھا کہ اب طالبان کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ بی۔ ۵۲ طیاروں سے کی گئی کارپٹ بمباری نے انہیں نیست ونابود کردیا ہے اور امریکی اسلحہ وٹیکنالوجی کے سامنے بے سروسامان افغان اب سر نہیں اٹھا پائیں گے۔ لیکن طالبان نے اپنی طاقت مجتمع کرنے کے بعد جب ۲۰۰۳ء میں دوبارہ انگڑائی لی تو امریکہ اور اس کے حواریوں کو لینے کے دینے پڑگئے۔ آج صورتحال یہ ہے کہ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن چین کا دورہ کرکے افغانستان کے مسئلے میں چینی حکام سے مدد مانگ رہی ہیں۔ سابق امریکی صدارتی امیدوار جان میک کین واضح الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ امریکہ افغانستان میں جنگ ہار رہا ہے جبکہ امریکی صدر بارک اوباما نے ''نیویارک ٹائمز'' کو دیئے گئے ایک حالیہ انٹرویو میں اقرار کیا ہے کہ امریکہ افغانستان میں جنگ نہیں جیت رہا جبکہ افغان حکومت عوامی اعتماد کو جیتنے میں ناکام ہوچکی ہے''۔ انھوں نے مزید کہا کہ افغانستان کی صورتحال بہت پیچیدہ ہے، وہاں پر ایسے علاقے بہت کم ہیں جہاں پر مؤثر طریقے سے حکومت کی جاسکے۔ لیکن امریکی صدر کے انٹرویو میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ امریکہ اعتدال پسند طالبان سے مذاکرات کرسکتا ہے۔ افغانستان میں اعتدال پسند طالبان کے ساتھ مذاکرات کے حوالے سے امریکی صدر کے بیان کو مغربی بالخصوص امریکی میڈیا نے خاصی اہمیت دی ہے۔ صدر بارک اوباما کی اس نئی افغان پالیسی کو جہاں ایک طرف ہدف تنقید بنایا جارہا ہے وہاں دوسری طرف بعض غیر جانبدار مبصرین اسے امریکی قوم اور فوج کے لئے ایک اہم قدم قرار دے رہے ہیں۔ بارک اوباما کی طرف سے ''اعتدال پسند'' طالبان کو مذاکرات کی دعوت کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس کے پیچھے جنرل پیٹریاس کی عراق پالیسی دکھائی دیتی ہے۔ امریکی اخبار ''یو ایس اے ٹوڈے'' کا اس حوالے سے کہنا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ افغانستان میں امن مذاکرات کی پالیسی جنرل پیٹریاس نے عراق میں اختیار کی تھی، جہاں سنی عربوں کے ساتھ مذاکرات اور بات چیت کے بعد القاعدہ کی سرگرمیوں میں کافی کمی آگئی تھی۔ اب امریکی حکام اس پالیسی کو افغانستان میں بھی اختیار کرنا چاہتے ہیں تاکہ طالبان پر قابو پایا جاسکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ پالیسی افغانستان میں کامیابی سے ہمکنار ہوسکے گی؟ اس حوالے سے پہلے بھی بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ عراق اور افغانستان کے حالات میں بہت فرق ہے۔ عراق میں تو بعض امریکہ واسرائیل نواز عراقی طاقتیں بھی درپردہ امریکہ کے ساتھ تھیں جبکہ افغان قوم جارح اور غاصب طاقتوں کے خلاف مکمل طور پر متحد ہے۔ صرف میدان کارزار میں برسرپیکار طالبان ہی نہیں بلکہ ہر ہر افغانی امریکی واتحادی افواج سے شدید نفرت کرتا ہے۔ طالبان کی روزافزوں کامیابیوں کی ایک بڑی وجہ یہی عوامی حمایت ہے۔ اس وقت افغانستان میں تفریق ضرور ہے لیکن وہ تفریق انتہا پسند طالبان یا اعتدال پسند طالبان کی نہیں بلکہ حریت پسندوں اور ضمیر فروشوں کے درمیان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طالبان کو اپنے سیاسی مفادات سے کوئی غرض نہیں بلکہ وہ تو اپنے ملک کو مکمل طور پر آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور وہاں اسلامی نظام کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ وہ اس روشن حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ جارح طاقتوں کے خلاف جہاد کے دوران وہ زندہ رہیں یا مرجائیں، ہر دو صورتوں کامیابی ہی ان کا مقدر بنے گی۔

تیسری اہم ترین بات جس کی طرف غیر جانبدار تجزیہ کار اور مبصرین بار بار توجہ دلا رہے ہیں، یہ ہے کہ اس وقت تمام معاملات طالبان کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اس وقت افغانستان کے ۷۰ فیصد سے زائد علاقوں پر بلاشرکت غیرے حکمرانی کررہے ہیں بلکہ ایک معروف افغان تجزیہ کار ہارون میر کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ اس وقت طالبان کابل کے کونوں میں موجود ہیں اور وہ کسی بھی وقت کابل حکومت کو گراسکتے ہیں۔ دوسری جانب امریکہ وناٹو کی سپلائی لائن طالبان کے مسلسل حملوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ ان کی فوجیں اپنی کمین گاہوں تک محدود ہوچکی ہیں۔ ایسے حالات میں معتدل طالبان کو مذاکرات کی دعوت دے کر امریکی صدر نے طالبان پر اپنی کمزوری ثابت کردی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی میڈیا بھی اوبامہ کی اس پالیسی کے بارے میں مختلف خدشات کا اظہار کررہا ہے، جیسے معروف برطانوی اخبار ''گارجین'' نے اپنی ایک حالیہ رپورٹ میں کہا ہے کہ امریکی صدر کی طرف سے اعتدال پسند طالبان کے ساتھ معاہدہ اور امن بات چیت کا منصوبہ ناکامی سے دوچار ہوگا۔ بعض مبصرین کے مطابق ایک ایسے وقت میں جبکہ طالبان کرزئی حکومت اور اس کے غیرملکی اتحادیوں کے خلاف کامیابیاں حاصل کررہے ہیں۔ امریکی پالیسی کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ایک اور افغان تجزیہ کار وحید مژدہ کے مطابق اعتدال پسند طالبان سے مذاکرات کی بابت بارک اوباما کا بیان محض ایک خواب ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان تمام باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بازی اس وقت طالبان کے ہاتھ میں ہے اور ان کی مرضی و منشاء کے بغیر اب کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔ رواں سال ہونے والے صدارتی انتخابات کی آڑ میں امریکہ جو تیس ہزار فوجی افغانستان بھجوار ہا ہے، ان کی بابت بھی طالبان رہنماؤں کا کہنا ہے کہ ''ہم نے نئے امریکی فوجیوں کے استقبال کی تیاری کررکھی ہے''۔ ان حالات میں جنرل پیٹریاس کی ''عراق پالیسی'' افغانستان میں کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ اگر امریکی صدر چاہتے ہیں کہ افغانستان کا مسئلہ حل ہوجائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ طالبان کے موقف کو سنا جائے اور ان کے اس مطالبے پر غور کیا جائے کہ قابض افواج کے انخلاء تک کسی قسم کے مذاکرات نہیں کئے جائیں گے۔ لیکن امریکی حکام کی بدنیتی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک طرف تو امریکی صدر مذاکرات کی باتیں کررہے ہیں اور دوسری طرف امریکی محکمہ دفاع پنٹاگن کہہ رہا ہے کہ طالبان کے سپریم لیڈر ملا محمد عمر سے مفاہمت کی حمایت نہیں کی جائے گی۔ ادھر امریکی افواج کی سنٹرل کمان کے ترجمان مائیک تھرسٹ کا کہنا ہے کہ فی الحال امریکی وناٹو افواج کا افغانستان سے انخلاء کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ اتحادی فوجیں افغانستان کی تشکیل نو اور خطے میں قیام امن تک وہاں قیام کا ارادہ رکھتی ہیں۔ یہ باتیں اوباما کی نئی افغان پالیسی کے پیچھے چھپی بدنیتی کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

فلسطینیوں سے مذاکرات کریں گے/ بنجامن نتن یاہو

اسرائیل کے متوقع وزیراعظم اور لیکوڈ پارٹی کے رہنما بنجامن نیتن یاہو کا کہنا ہے کہ ان کی حکومت فلسطینیوں کے ساتھ مل کر امن کے لئے کام کرے گی۔ مسٹر نیتن یاہو نے یہ بات یروشلم میں ہونے والی ایک اقتصادی کانفرنس کے دوران کہی۔ انھوں نے کہا کہ وہ امن کے قیام میں اہم شراکت دار ہوں گے اور فلسطینی انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کریں گے۔ اس سے پہلے وہ فلسطینیوں کے ساتھ مذاکرات کے عمل پر سخت تنقید کرتے رہے ہیں۔ مبصرین کا خیال ہے کہ مسٹر نیتن یاہو اس طرح کے بیانات سے یہ تاثر بدلنے کی کوشش کررہے ہیں کہ وہ امن کی مخالفت کرنے والے دائیں بازو کے سیاستدانوں میں شامل ہیں۔ انھوں نے یہ بات لیبر پارٹی کے رہنما ایہود براک کی مخلوط حکومت میں شمولیت پر رضامندی کے ایک روز بعد کہی۔ مسٹر ایہود براک کی جماعت کے کئی کارکنوں نے ان کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے کیونکہ وہ لیکوڈ پارٹی کی پالیسیوں کے مخالف رہے ہیں۔ اس صورتحال میں مسٹر یاہو پر مشرق وسطیٰ میں ریاستی منصوبے کی حمایت کرنے کے لئے دباؤ بڑھ رہا ہے۔

علم ایک روشنی ہے

محمد سراج الدین ہاشمی
امروہہ (یوپی)

اسلام ایک مکمل مذہب ہے علماء اور دانشوروں نے کہا ہے کہ علم انسان کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ مذہب اور علم دونوں ہی انسان کی زندگی کا اعلیٰ حصہ ہوتے ہیں جس سے انسان کی زندگی کا اندھیرا دور ہوتا ہے۔ اسلام میں انسان کی زندگی کے سدھارنے کے لیے ہر طرح کے عناصر موجود ہیں۔ اگر ان پر غیر تعلیم یافتہ بھی عمل کریں تو ان کو بھی اپنی زندگی میں روحانی تقویت اور شائستگی کا احساس ہوگا لیکن پھر بھی تعلیم انسان کے لیے انتہائی ضروری ہے اور اس سے بھی زیادہ انسان کے لیے ماحول اور تربیت ہے اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ ماحول اچھا مل جائے اور اس اچھے ماحول میں انسان کی تربیت ہوجائے تو اچھا معاشرہ مانا اور سمجھا جاتا ہے لیکن ہندوستان کے مسلم معاشرے نے ایک عرصۂ دراز سے بدترین صورت اختیار کی ہوئی ہے اگر اس صورت حال کی اصل وجہ تلاش کرنے کے لیے گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ لوگوں نے اسلامی اصول، قاعدے اور ضابطے یکسر بھلا دیے ہیں۔ اگر ان اسلامی اصولوں، قاعدوں اور ضابطوں کو لوگ اپنی زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ سمجھتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہوں تو ان کی زندگی اخلاق، تہذیب، انداز گفتگو، لباس اور حرام وحلال کی تمیز اور ایسے ہی زندگی کے دیگر معاملات میں انسان خود تربیت یافتہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسلامی اصول، قواعد اور ضابطوں کے ذریعہ ہی انسان کو روحانی قوت اور پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے۔ سماج میں عصری اور مذہبی دونوں ہی تعلیم کے افراد اپنا مقام بنا لیتے ہیں لیکن تعلیم کے ساتھ ساتھ سماج میں رہتے ہوئے سماج کے لوگوں کو سمجھنا بھی انتہائی ضروری ہے کیونکہ سماج کے لوگ سب ہی تعلیم یافتہ نہیں ہوتے غیر تعلیم یافتہ بھی ہوتے ہیں۔ ان غیر تعلیم یافتہ لوگوں سے کس طرح ملنا ہوگا اور ان کے جذبات و احساسات کو سمجھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ ان کے جذبات مجروح نہ ہوں کیونکہ غیر تعلیم یافتہ کے جذبات بہت نازک ہوتے ہیں وہ کیوں اور کب تجزیہ اور وجوہات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور تعلیم یافتہ کو ایسے لوگوں کو سمجھتے ہوئے ان کے جذبات کی قدر کرنی چاہئے۔ ایسی ہی صورتحال ان لوگوں کی ہوتی ہے جو کروڑپتی تو ہیں لیکن تعلیم سے محروم ہونے کے باعث منفی عناصر ان کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اس احساس کمتری کو اپنے دل و دماغ سے رفع کرنے کے لیے اسباب کو سمجھنے اور اس سے پاک رہنے کی صلاحیت کا ان میں فقدان ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے معاشی مقام کا احساس کرتے ہیں تو تعلیم کے نہ ہونے کا بھی شدید احساس پریشان کرتا رہتا ہے اور یہ احساس ان کی اپنی زندگی کے قدم قدم پر ہوتا ہے جو نفسیاتی بیماری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح تعلیم یافتہ اپنی تعلیم کے سہارے اپنے منفی عناصر پر قابو پالیتا ہے لیکن غیر تعلیمی یافتہ ان منفی عناصر پر قابو نہیں پاسکتا اس لیے سماج میں ایسے لوگ ایک دوسرے سے متضاد حیثیت رکھتے ہیں۔

انسان کے وہ عناصر جس کو حسد جلن اور غصہ کہتے ہیں وہ بھی انسان کو احساس کمتری میں مبتلا کرتے ہیں اور یہ عناصر محرومیت کے باعث پیدا ہوتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں جن چیزوں اور مقامات سے محروم ہوتا ہے اس محرومیت کا شدید احساس ہی اس کی زندگی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے نفسیاتی تجزیہ کرنا ضروری ہے اور انسان کو ان معاملات پر قابو پانے کے لیے will-power کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس شخص میں will-power ہے وہ نفسیاتی تجزیہ کے سہارے ان منفی عناصر پر قابو پا سکتا ہے کیونکہ انسان کو دنیا میں رہتے ہوئے سب کچھ اور بہت کچھ نہیں ملتا جو کچھ بھی انسان اپنی زندگی میں حاصل کرتا ہے وہ اس کی اپنی علمی و ذہنی صلاحیتوں کا ہی نتیجہ ہوتا ہے اور ذہنی صلاحیتوں کا تعلق تعلیم سے ہے اور اگر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انسان کو بعض اوقات بلند مقامات اور معاملات سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس تعلیم کے سہارے اپنی محرومیت کے اسباب کو سمجھ کر انسان سماج میں رہتے ہوئے اپنے آپ سے نفسیاتی سمجھوتہ کر لیتا ہے تو وہ تقریباً ۸۰ فیصدی ان منفی عناصر پر قابو پا لینے کے بعد احساس کمتری جیسے بدترین عنصر سے اپنے آپ کو پاک رکھ سکتا ہے اور جو لوگ ان عناصر پر قابو نہیں پا سکتے وہ اپنے اس محرومیت کے شدید احساس کے باعث ذہنی طور پر طیش، حسد اور جلن میں مبتلا کر لیتے ہیں اور یہی وہ عناصر ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کو اندر سے یکسر ختم کر دیتے ہیں۔ اگر شدید صورت اختیار کر لی ہے تو وہ نفسیاتی بیماری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ ایسی بیماری ہے کہ انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہو جاتا ہے یعنی جیتے جی زندہ موت اور پھر یہ صورت جرائم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ سماج میں ایسے بہت سے چھپے ہوئے سفید پوش مجرم ہیں جو صرف اپنی عیش پرستی کے لیے اور سماج میں مقام حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ روپیہ کمانے کے لیے غیر قانونی کام کرتے ہیں اور یہ غیر قانونی کام اس طرح کرتے ہیں کہ چند سالوں میں ہی اگر کروڑپتی نہیں تو لکھ پتی ضرور بن جاتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ سماج میں جو مقام حاصل کرنے کے لیے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے وہ تمام دولت ہی سماج میں اس کی تذلیل کا باعث بن گئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے ابتدائی زندگی کے دور میں ہی اپنی ایسی گہری سوچ سے ایسے گندے عناصر سے بچا جائے اور ذہنی طور پر اپنے آپ کو طاقتور بنایا جائے۔

انسان اگر خوف میں مبتلا ہے تو اس کے محرکات اس کے بچپن کے واقعات بھی ہوسکتے ہیں اور اس کا کوئی غیر قانونی پیشہ بھی ہوسکتا ہے یعنی اگر اس نے کوئی ایسا پیشہ اختیار کر رکھا ہے جو زیادہ آمدنی والا ہے لیکن غیر قانونی ہے تو ایسی صورت میں اس کو ہر وقت یہی خدشہ رہتا ہے کہ نہ معلوم کس وقت اس کی گردن پر قانون ہاتھ رکھ دے۔ جب تک گھر کے افراد کے ذریعہ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ گھر سے باہر ایسا کوئی نہیں ہے جو اس کے خلاف قانونی کارروائی کر دے وہ گھر سے باہر نہیں نکلتا یعنی ذہنی آزادی ختم ہوکر پوری زندگی خوف و ہراس میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس خوف کو دور کرنے کا نفسیاتی علاج بھی کوئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ پیشہ چھوڑ دیتا ہے تب بھی عمر کے آخری دن تک خوف سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتا۔ بس ایک ہی راستہ نظر آتا ہے کہ قانون کے ان افراد سے قربت حاصل کرلی جائے جو سرکاری اور قانونی طور پر اس پر ہاتھ رکھ سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان خود کتنا خوفزدہ ہے اس کا یہ عمل اس کے خوف کی غمازی کرتا ہے کہ جن غلط معاملات وعمل کے باعث وہ خود خوفزدہ رہتا ہے۔ وہی عمل وہ دوسروں کے ساتھ کرتا ہے یا کراتا ہے۔ اس عمل سے اس کو نفسیاتی طور پر ذہنی تسکین تو ضرور حاصل ہو جاتی ہے لیکن اس کا ذہن سماجی سازشوں سے پُر ہوجاتا ہے۔

اس لئے معاشرے میں رہتے ہوئے گھٹیا، اوچھی، چھچھوری اور انتہائی سطحی سوچ انسان کو کہیں کا بھی نہیں رکھتی۔ اگر خیالات ونظریات اعلیٰ ہیں تو انسان کا رجحان بھی فطری طور پر اعلیٰ ہوگا اور جب اعلیٰ رجحان ہوگا تو بہتر راستہ پر گامزن ہوگا اور بہتر راستہ ہی بہتر زندگی کے لیے ضروری ہے۔ انسان کے اندر شعوری قوت کے باعث اعلیٰ وارفع خیالات پیدا ہونے چاہئیں اور یہی انسان کے لئے ضروری ہے۔ ●●

دعوت

یکم اپریل ۲۰۰۹ء

صدر امریکہ کا اعلان

امریکی صدر بارک حسین اوباما نے افغانستان اور پاکستان کے لئے نئی حکمت عملی کا عین اس وقت اعلان کیا جب ماسکو میں شنگھائی تعاون تنظیم کا اجلاس جاری تھا۔ وہ خود یورپ کے پہلے دورے پر نکلنے والے تھے۔ دوسری طرف برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن لاطینی امریکہ کے دورے پر تھے۔ انھوں نے اپنے پالیسی بیان میں جو اعلانات کئے ہیں اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ افغانستان اور پاکستان کو لازم وملزوم خیال کرتے ہیں۔ افغانستان کا مسئلہ ان کے خیال میں اس وقت تک حل ہی نہیں ہوسکتا جب تک پاکستان میں سیاسی استحکام نہ ہو اور پاکستان شدت پسندی اور شرانگیزی سے پاک نہ ہو۔ اپنے بیان میں انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ پاکستان اس وقت دنیا کا خطرناک ترین خطہ بن گیا ہے اور اس کو جو مرض لاحق ہوگیا ہے اس نے کینسر جیسی صورت اختیار کرلی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے محض ایک طریقے پر انحصار نہیں کیا جاسکتا اس لئے جہاں اس کے لئے طاقت کا استعمال ضروری ہے وہیں پرامن طریقوں کو بھی آزمائے جانے کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔ لہٰذا انھوں نے پاکستان میں تعمیری کاموں کے لئے امداد کا بھی اعلان کیا ہے اور افغانستان میں بھی امن وامان قائم کرنے کے لئے پرامن طریقے تلاش کرنے پر زور دیا ہے۔ جس کی طرف اشارہ انھوں نے اس سے پہلے بھی کیا تھا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ طالبان سے بات چیت پر غور کررہے ہیں۔ یعنی طالبان کے ان عناصر کے ساتھ بات چیت ہوسکتی ہے جن کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ معتدل مزاج اور میانہ رو ہیں۔ افغان حکام کی طرف سے بھی صدر امریکہ کی اس تجویز کی تائید کی گئی تھی، اس کے بعد اچھے اور برے طالبان کی ایک بحث شروع ہوگئی تھی۔ حالانکہ بعض حلقوں کو سرے سے اس خیال سے ہی اختلاف تھا اور اب بھی ہے۔

ایک طرف صدر اوباما نے پاکستان کے لئے خطیر مالی امداد کا اعلان کیا ہے اور دوسری طرف افغانستان مزید افواج بھیجنے کا اشارہ بھی دیا ہے۔ ادھر برطانیہ کی طرف سے بھی یہ اعلان کیا گیا ہے کہ وہ اپنی فوجیں افغانستان میں رکھے گا اور برطانیہ کے خیال میں ابھی مزید پانچ سال وہاں غیرملکی افواج کو رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اس پر بھی غور ہورہا ہے کہ پاکستان پر انحصار کو کم کیا جائے اور ناٹو افواج کو ساز وسامان پہنچانے کا متبادل راستہ تلاش کیا جائے۔ اس وقت افغانستان اور پاکستان دنیا کا وہ خطہ ہے جس پر پوری دنیا کی نگاہیں ٹکی ہوئی ہیں اور پوری دنیا کسی نہ کسی طور پر اس سے منسلک ہوگئی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے چند ماہ کے دوران امریکہ اور برطانیہ کے اعلیٰ سول اور فوجی اس خطے کے حکام کے درجنوں دورے ہوچکے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے اعلیٰ حکام واشنگٹن کا دورہ کرچکے ہیں۔ اس طرح فرانس، برطانیہ اور دوسرے پڑوسی ملکوں نے یہاں کے حالات پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اقوام متحدہ نے بھی بار بار اس کا نوٹس لیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ محض اس موضوع پر ماسکو میں شنگھائی تعاون تنظیم کا اجلاس ہوا جس میں اس پر تفصیل سے غور کیا گیا۔ افغانستان اور پاکستان کے حالات سے روس، وسطی ایشیا، ہندوستان اور ایران بھی متاثر ہورہے ہیں۔ ہیگ میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام بین الاقوامی کانفرنس ہونے والی ہے۔ جس میں صدر بارک حسین اوباما بھی شریک ہوں گے۔ اس لئے کہ افغانستان و پاکستان عالمی منظرنامے میں مرکزی مقام حاصل کرچکے ہیں۔ ان میں دنیا کا نقشہ بدلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس لئے روس کی طرف سے بار بار یہ بات کہی جارہی ہے کہ افغان مسئلہ فوجی طریقے سے حل نہیں کیا جاسکتا بلکہ امریکہ کو چاہئے کہ اس کے لئے دوسرے راستے بھی تلاش کرے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکی صدر نے ان مشوروں کو بھی مدنظر رکھا ہے۔

سیاسی وفاداریوں اور اتحاد کی تبدیلی کا بڑھتا ہوا رجحان

مخلوط حکومت کے دور میں ملکی سیاست موقع پرستی کی راہ پر چل پڑی ہے، نہ تو لیڈران پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ سیاسی پارٹیوں پر

انتخابات کے وقت لیڈران کی سیاسی وفاداری کی تبدیلی ملکی سیاست کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جس کسی لیڈر کو پارٹی کا ٹکٹ نہیں ملتا یا اپنی کامیابی کا یقین نہیں رہتا ہے، فوراً ہی دوسری پارٹی کا رخ کرلیتا ہے۔ اسی لئے انتخابات کو سیاسی وفاداریوں کی تبدیلی کا موسم بھی کہتے ہیں۔ اب مخلوط حکومت کے دور میں جب آئے دن ریاستی و مرکزی سطح پر سیاسی و انتخابی اتحاد بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں، ایک اتحاد سے دوسرے اتحاد میں سیاسی پارٹیوں کے آنے جانے کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے۔ مرکزی سطح پر الگ اور ریاستی سطح پر الگ نئے نئے اتحاد بنائے جانے لگے ہیں۔ اس طرح اب سیاسی لیڈران کی وفاداری کی طرح سیاسی پارٹیوں کی دوستی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ کب کون لیڈر اور کون سی پارٹی کدھر چلی جائے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جہاں تملناڈو اتحاد بدلنے کے لئے کافی بدنام ہے وہیں ہندی بیلٹ کی ریاستیں خصوصاً اترپردیش، بہار اور مدھیہ پردیش لیڈران کی سیاسی وفاداری کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ سیاسی اتحاد بدلنے کے لئے بھی کافی مشہور ہیں۔ تملناڈو میں جب بھی الیکشن ہوتا ہے سیاسی پارٹیاں ہوا کے رخ کو دیکھتے ہوئے کبھی ڈی ایم کے اتحاد میں شامل ہوتی ہیں تو کبھی اے آئی اے ڈی ایم کے اتحاد میں، یہی نہیں ڈی ایم کے اور اے آئی اے ڈی ایم کے اتحاد کبھی کانگریس سے قریب ہوتے ہیں تو کبھی بی جے پی سے۔ اس بار اے آئی اے ڈی ایم کے اتحاد تیسرے مورچے میں شامل ہوگیا ہے۔ لیکن کانگریس کے لئے بھی اس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اترپردیش میں تو سیاسی لیڈران بھی اپنی وفاداریاں تبدیل کرتے ہیں اور سیاسی پارٹیاں بھی۔ سماجوادی پارٹی ہو یا بہوجن سماج پارٹی، راشٹریہ لوک دل ہو یا اپنادل، سبھی نے کھلے یا ڈھکے چھپے کانگریس اور بی جے پی دونوں کے ساتھ کبھی انتخابات کے لئے تو کبھی حکومت سازی کے لئے اتحاد کیا۔ بائیں بازو محاذ کے ساتھ بھی ان کے تعلقات رہے ہیں۔ غرضیکہ لیڈران کی طرح سیاسی پارٹیاں بھی موقع پرستی کی پالیسی پر عمل کرتی رہتی ہیں۔

مرکز کے حکمراں یو پی اے اتحاد سے گزشتہ پانچ برسوں میں ایک درجن سیاسی پارٹیاں باہر ہوچکی ہیں۔ ان میں ٹی آر ایس، ایم ڈی ایم کے، بہوجن سماج پارٹی، پی ڈی پی، بائیں محاذ کی پارٹیاں اور ابھی نکلنے والی لوک جن شکتی پارٹی، راشٹریہ جنتادل اور سماجوادی پارٹی جنھوں نے اترپردیش اور بہار کے لئے ایک نیا انتخابی اتحاد بنایا ہے اور پی ایم کے جو اے ڈی ایم کے اتحاد میں شامل ہوگئی، قابل ذکر ہیں۔ این سی پی بھی شیوسینا کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے مشکوک ہے۔ ڈی ایم کے بھی ایک بار این ڈی اے کا حصہ رہ چکی ہے۔ یہی حال این ڈی اے کا ہے۔ اس سے اب تک دس پارٹیاں نیشنل کانفرنس، لوک جن شکتی، ایم ڈی ایم کے، ڈی ایم کے، اے آئی اے ڈی ایم کے، پی ایم کے، انڈین فیڈرل ڈیموکریٹک پارٹی، ترنمول کانگریس، بیجو جنتادل اور تیلگو دیسم جیسی پارٹیاں الگ ہوچکی ہیں اور جو پارٹیاں بچ گئی ہیں ان میں انڈین نیشنل لوک دل اور راشٹریہ لوک دل کب کدھر چلے جائیں، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کچھ سیاسی پارٹیاں تو ایسی ہیں جو ہر الیکشن میں یا حکومت سازی کے وقت اپنا اتحاد بدل دیتی ہیں۔

جہاں تک تیسرے محاذ کا تعلق ہے تو یہ بار بار وقتی طور پر بنتا ہے اور پھر ختم ہوجاتا ہے۔ کبھی بھی پانچ سال تک یہ اتحاد برقرار نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شامل ہونے والی پارٹیاں ایک تو اپنے موقف پر قائم نہیں رہتیں، دوسرے تیسرے محاذ میں پارٹیوں سے زیادہ لیڈران جمع ہوجاتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے چلنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر علاقائی پارٹیاں شامل ہوتی ہیں اور ان کو جیسے ہی اپنا فائدہ دوسری جگہ نظر آتا ہے۔ تیسرے محاذ کو خیرباد کہہ کر ادھر چلی جاتی ہیں۔ اس طرح تیسرا مورچہ ملکی سیاست کے لئے ایک ناکام تجربہ رہا۔ اسی لئے وہ اپنا مقام نہیں بنا سکا۔ پچھلی بار تیسرے محاذ کا تجربہ صدارتی الیکشن کے وقت کیا گیا تھا اور الیکشن ختم ہوتے ہی محاذ بھی ختم ہوگیا۔

جہاں ذاتی مفاد اور موقع پرستی ہی سیاست کی بنیاد ہے، نہ تو لیڈران پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی سیاسی پارٹیوں پر۔ اسی لئے بے میل اتحاد ہوتے رہتے ہیں اور پھر ختم بھی ہوجاتے ہیں اور ملکی سیاست کو استحکام نہیں حاصل ہوتا۔ مخلوط حکومت کے اس دور میں ملکی سیاست میں جو سب سے بڑی بیماری پیدا ہوئی ہے وہ ہے خودغرضی، مفاد پرستی اور موقع پرستی جس کی وجہ سے لیڈران میں سیاسی وفاداریوں کی تبدیلی کا رجحان بھی تیزی سے بڑھ رہا ہے اور خالص موقع پرستی پر مبنی غیر نظریاتی اتحاد وقتی طور پر بنائے جارہے ہیں اور ختم کئے جارہے ہیں۔

●●

مسلمانوں کے لئے یہ کوشش مشعل راہ ہے

راجستھان کے جودھپور کی مارواڑ مسلم ایجوکیشن سوسائٹی، ایک بوائز سینئر سیکنڈری اسکول، ایک گرلز اسکول، ایک اپر پرائمری اسکول، ایک انڈسٹریل سنٹر برائے طلباء، ایک انڈسٹریل سنٹر برائے طالبات، ایک انگلش میڈیم اسکول، ایک بی ایڈ کالج برائے طلبا و ایک بی ایڈ کالج برائے طالبات، ایک مائی خدیجہ اسپتال اینڈ ریسرچ سنٹر اور اس سے بھی دلچسپ گایوں کے لئے ایک پناہ گاہ آدرش مسلم گئو شالا چلا رہی ہے۔ مارواڑی عام طور سے جینی اور بزنس مین سمجھے جاتے ہیں، لیکن حقیقت میں مارواڑی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق جودھپور سے متصل شہر کچامن سٹی سے پاکستان میں واقع سندھ کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے علاقے سے ہے۔ مارواڑی کی اصل مرو لفظ سے ہے جس کا مطلب بنجر یا ریگستان سے ہوتا ہے۔ مارواڑی طرح طرح کے رنگوں میں رنگے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جن کے کاروبار ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے کاروباری نوجوان دور دراز کے شہروں میں اپنے کاروبار اور صنعتی ادارے چلا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے اندر باہم تعاون اور اتحاد کا مثالی جذبہ پایا جاتا ہے جو کاروباری نیٹ ورک کے فروغ کے لئے لازمی ہے۔

جودھپور مارواڑ کی غیر اعلان شدہ راجدھانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو مارواڑی کلچر کا مرکز ہے۔ ان میں ہندو بھی ہیں، جینی بھی اور مسلمان بھی۔ مارواڑی زبان ان کو باہم مربوط رکھتی ہے۔ اس وقت ان کی کل آبادی تقریباً دو کروڑ بتائی جاتی ہے۔ ان کی زبان میں سادگی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں زبردست لٹریچر پایا جاتا ہے۔ ماضی میں یہ زبان مہاجنی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی جسے بعد میں پوری طرح ہندی رسم الخط سے بدل دیا گیا۔ اگرچہ اس کی بولی کتابوں میں لکھی اور پڑھی جانے والی ہندی سے بالکل مختلف ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہندی خود اپنی اصل بیان ہی نہیں کرسکتی۔ اردو مخالف عناصر نے سنسکرت رسم الخط میں وسطی اور شمالی بھارت کی تمام زبانوں پر اس رسم الخط کو تھوپ کر اپنی استعماری، سامراجی اور جارحانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس سے ملک بھر میں بولی لکھی اور پڑھی جانے والی زبانوں پر کھلے عام ظلم ڈھایا اور ستم ظریفی سے کام لیا ہے۔ ان کے وجود کو مٹایا اور ان کے قدیم بیش قیمت لٹریچر کو نیست و نابود کیا ہے۔ چنانچہ جودھپور کے اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ زبان کبھی لکھنؤ کی اردو کا رنگ وروپ اور درجہ و کیفیت رکھتی تھی۔ مارواڑی گیت آج بھی ان کے ماضی کے بہادر وشجاع ہیروز کے کارناموں، کہانیوں اور رومانس سے لبریز ہوتے ہیں۔ مغل حکمرانوں کے پورے دور میں جودھپور مارواڑی کلچر کا گہوارہ رہا تھا۔ سابق راجاؤں کی ریاستوں کے محل اور سرکاری عمارتیں آج بھی اپنی عظمت، شان وشوکت اور فن تعمیر کا ایک نمونہ دکھائی دیتی ہیں۔ ہر ذات وبرادری کی رنگارنگ پگڑیوں کے باندھنے کا انداز آج تک ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور بھاری تہہ دار اسکرٹ مارواڑی لباس، شادیاں، یاترائیں، بیش قیمت طعام اور میلے ان کی تہذیب و ثقافت امتیازی شناخت کی حامل ہیں۔ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے سے ہی مارواڑی بزنس مین مختلف شہروں کو منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں جہاں وہ اپنے کاروبار اور کارخانے قائم کرتے آرہے ہیں حتیٰ کہ ہلدی رام کی بھجیا اور آریہ بھون سوئٹ بھی ملک بھر کے شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مارواڑ کی آبادی میں تقریباً دس فیصد مسلمان ہیں۔ وہ اپنی مادر وطن کیلئے دوسروں سے کہیں زیادہ وفادار ہیں۔ مارواڑی مسلمانوں میں ماڈرن تعلیم کی طرف رجحان نے ان سے حکومت اور دوسروں کی طرف دیکھنے کی بجائے خود عملی قدم اٹھانے کا تقاضا کیا۔ چنانچہ انھوں نے اسکول اور کالجوں کا ایک نیٹ ورک پھیلانے کے لئے ایک گروپ تشکیل دیا۔ مارواڑ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری محمد عتیق کا کہنا ہے کہ جودھپور کے سابق مہاراجہ امید سنگھ جی نے مسلمانوں کے تعلیم کی طرف رجحان اور شوق کو دیکھتے ہوئے دست تعاون دراز کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی جدوجہد کا سرپرست بننا قبول کیا۔ وہ راجہ خاندان کے موجودہ وارث شری گاج سنگھ کے دادا تھے۔

اس وقت کے سکریٹری تعلیمات کرنل اے پی کوکس کے مشورے پر انھوں نے شہر میں ایک قطعۂ زمین سوسائٹی کو دے دیا جس پر دربار مسلم اسکول قائم کردیا گیا۔ اسکول کا افتتاح خود راجہ امید سنگھ جی نے اپنے ہاتھوں سے ۱۹۳۶ء میں کیا تھا تاہم بعد میں تقسیم ہند کے طوفان میں یہ اسکول مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا اور اس کا نام بدل کر مہاتما گاندھی اسکول رکھ دیا گیا۔ یہ ایک شاندار اور پرشکوہ عمارت تھی جو آج بھی وقف ایکٹ کے تحت درج ہے۔ جب اسکول کو حکومت کے کنٹرول سے نکالنے کی کوششیں ناکام ہوگئیں تو جودھپور کے مسلمانوں نے اس وقت کے وزیراعلیٰ بھیروں سنگھ شیکھاوت سے رابطہ قائم کیا۔ شیکھاوت نے ۱۹۷۷ء میں شہر میں پانچ ایکڑ کا ایک قطعۂ زمین اسکول کو دے دیا۔ ۱۹۷۱ء میں پھر سے مارواڑ مسلم ایجوکیشن سوسائٹی کی تشکیل نو کی گئی تھی۔ جس نے مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام واہتمام اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا اور پتھروں کی ایک شاندار عمارت تعمیر کی جو آج سوسائٹی کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔

مسلم ایجوکیشن سوسائٹی کے بارے میں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اس نے کنٹرول پوری طرح اپنے ہاتھوں میں رکھا ہے لیکن مختلف حلقوں اور طبقات سے تعاون اور حمایت حاصل کی ہے جہاں مولانا آزاد فاؤنڈیشن سے اسکول کی تعمیر کے لئے زبردست رقم حاصل کی۔ موجودہ وزیراعلیٰ اشوک گہلوت نے بھی اپنے ایم پی فنڈ سے ایک لائبریری کی تعمیر کے لئے سرمایہ فراہم کیا۔ سابق مرکزی وزیر مالیات اور بی جے پی لیڈر جسونت سنگھ اور کانگریس کے ممبر پارلیمنٹ ایل ایم سنگھوی نے مختلف پروجیکٹوں میں تعاون کیا۔

اس وقت کیمپس طرح طرح کی تدریسی وغیرتدریسی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ جہاں ۲۷۰۰ طلباء مختلف سہولتوں سے فیضیاب ہورہے ہیں اس کا بجٹ دو کروڑ روپے سالانہ تک پہنچ گیا ہے۔ پورے پروجیکٹ کے لئے ایک حد تک رقم تکیہ چاند شاہ وقف کمپلیکس سے آتی ہے۔ جس کی تقریباً ۲۰۰ دکانیں ہیں۔ تقریباً بیس فیصد طلباء کو رعایتی بنیاد پر تعلیم دی جاتی ہے جس کا بدل وقف کمپلیکس سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اسکولوں میں ۸۰ تا ۸۵ فیصد بچے مسلمان ہوتے ہیں۔ لیکن دونوں بی ایڈ کالجوں میں یہ تناسب بالکل الٹ جاتا ہے جہاں تقریباً چار سو لڑکوں اور لڑکیوں میں سے صرف ۱۵ فیصد مسلم ہوتے ہیں۔ مائی خدیجہ اسپتال گنجان آبادی والے مسلم محلّہ میں واقع ہے جہاں ہر مہینہ تقریباً پچاس بچوں کی ولادت کرائی جاتی ہے۔

مارواڑ مسلم سوسائٹی کے اس ڈھانچہ کو تیار کرنے میں نتائج کو ہدف بنا کر عملی جدوجہد نے کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔ جس کے تحت وہ لوگ معاشرے کے ہر بچے کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی جہد مسلسل کررہے ہیں۔ اس معاملے میں انھوں نے اپنے ذہن کو کھلا رکھا ہے۔ اس لئے ان سیاسی پارٹیوں کے پاس جانے سے بھی نہیں ہچکچاتے جو مسلمانوں کے ساتھ کبھی دوستانہ روابط نہیں رکھتیں۔ سوسائٹی کے افراد اپنی مختلف آئیڈیالوجیز، مسلکی، سیاسی، طبقاتی اور دیگر نظریات کے باوجود ملت کی نئی نسلوں کی تعلیمی ترقی پر متحد اور مسلسل سرگرم رہتے ہیں۔ اس متحدہ ویژن نے سوسائٹی کو مرکزی وزارت برائے فروغ انسانی وسائل سے ۲۰۰۴ء میں مولانا لٹریسی ایوارڈ سے سرفراز کرادیا۔

●●

افغانستان میں سلامتی کونسل کا مشن

گینی حسین (واشنگٹن)

سلامتی کونسل نے افغانستان میں اقوام متحدہ کی موجودگی e کو مزید ایک سال کے لئے بڑھا دیا ہے۔ واشنگٹن میں 'وی او اے' کے ساتھ انٹرویو میں اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی کائی آئیدا نے افغانستان سے منسلک کئی سوالات کے جواب دیئے۔

جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ افغانستان کے حوالے سے حکمت عملی پر نظرثانی کے لئے ان کی کیا اولین ترجیحات ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہمیں اس بات سے کوئی زیادہ سروکار نہیں ہے کہ ماضی میں فوجی معاملات پر سویلین امور کے مقابلے میں زیادہ زور دیا گیا تھا۔ ہمیں ایک بہتر توازن کی ضرورت ہے جو ہمیں اس دور کی سوچ میں نظر آرہا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ اس نئی حکمت عملی کے اعلان سے پہلے اوباما انتظامیہ نے مزید سترہ ہزار امریکی فوجی افغانستان بھیجنے کا وعدہ کیا ہے تو اس اضافے پر آپ کا کیا خیال ہے۔ مسٹر آئیدا نے کہا کہ ہمارے پاس بغاوت سے لڑنے کے لئے فوج ہے اور افغانی فوج کی تربیت کی جائے۔ انھوں نے کہا کہ فوج کی تعداد جو ہمارے پاس آج ہے ہمیں اس سے زیادہ کی ضرورت پڑے گی۔' جو بات میرے لئے اہم ہے وہ یہی ہے کہ موجودہ اور کل کے فوجی ملک کے حساس معاملات کو سمجھ سکیں اور ہم ہر ممکنہ کوشش کریں گے کہ عام افغانی شہریوں کا جانی نقصان کم سے کم ہو۔

انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس بات کی بھی کافی اہمیت ہے کہ ہم ان افغانیوں کی اور ان ممالک کی مزاحمت برقرار رکھیں جو اپنے فوجیوں اور مالی وسائل کے ذریعے افغانستان میں مدد کررہے ہیں۔ مسٹر آئیدا کا کہنا تھا کہ اگر ایسا ہوجاتا ہے تو ہم کامیاب ہوںگے، اور اگر اضافی فوج سے مسائل میں بھی اضافہ ہوتا ہے تو مجھے بہت تشویش ہوگی۔ مسٹر آئیدا نے 'لاموند' نامی ایک فرانسیسی اخبار سے بات کرتے ہوئے طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے جو نکات اٹھائے تھے ان سے منسلک سوالوں کے جواب میں مسٹر آئیدا نے کہا کہ وہ طالبان جو القاعدہ سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہتے ہیں، آئین کا احترام کرتے ہیں اور جو افغان معاشرے میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ انھیں ایسا کرنے میں مشکل نہیں ہونی چاہئے۔ ساتھ میں انھوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ایک مکمل مفاہمتی عمل کی ضرورت ہے کیونکہ یہ امن تک پہنچنے کا شارٹ کٹ نہیں بلکہ ایک نہایت ضروری عنصر ہے۔

مسٹر آئیڈا نے بتایا کہ اس عمل کی شروعات افغانیوں ہی سے ہونی چاہئے اور ہم ان کا سہارا بنیں گے۔ میں آئین پر خاص طور پر زور دیتا ہوں۔ اس میں معاشرے کی پچپن فیصد آبادی، یعنی خواتین کے حقوق شامل ہیں۔ ان کا پڑھنا، سماجی سرگرمیوں میں کھل کر حصہ لینا وغیرہ۔ میں اس بات پر مضبوط یقین رکھتا ہوں کہ ہم ایسے کسی معاہدے میں شامل نہیں ہوں گے جس میں عورتوں کی حیثیت کو کم کیا جائے۔ وہ اس وقت پریشان ہیں اور ہم ان کی فکر کو سمجھتے ہیں۔ کائی آئیڈا نے کہا کہ عام افغانی شہریوں کو ترقیاتی کام کرنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ کبھی کبھار یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ فوج بنیادی کاموں، مثلاً سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں مدد دے، لیکن جن لوگوں کے پاس عمارت موجود ہے، جو فوج کے پاس نہیں ہے۔ ان کو غیرفوجی وسائل کی دیکھ بھال کرنی چاہئے۔

جب اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی سے ناٹو کے نئے کردار کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ ناٹو کی کوششوں کو امداد اور تعمیر نو پر مرکوز دیکھتے ہیں تو جواب میں مسٹر آئیڈا نے بتایا کہ جہاں تک ملک کے ان علاقوں کا تعلق ہے جہاں صورت حال غیر مستحکم ہے، وہاں پر فوج کو زیادہ ذمہ داری سنبھالنی پڑے گی۔ مگر جہاں جہاں ممکن ہو وہاں فوج کو غیرفوجی ذمہ داریاں، افغانی عوام اور دیگر بین الاقوامی تنظیموں کے لئے چھوڑ دینی چاہئیں۔ یہی واحد طریقہ ہے جس سے ہم افغانیوں کی اپنی اہلیت کو استعمال کرسکتے ہیں۔ مسٹر آئیڈا نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم سالہا سال ایک ہی ڈگر پر چلتے رہے تو ہم الجھ کر رہ جائیں گے اور تبدیلی کا عمل آگے نہیں بڑھے گا۔ لہٰذا شہری شعبے پر زیادہ زور دینے کا مطلب ہے عوامی ترقی اور تعمیر نو کے کاموں کے لئے زیادہ وسائل۔

●●

فکر معاصر

وعدے اور انتخابات

بہت مشہور ہے اور بڑے اعتماد سے کہا جاتا ہے کہ عوام کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے لیکن یہ بات صد فیصد درست نہیں ہے۔ جو بیکار کی باتیں ہوتی ہیں انہیں عوام بھول جاتے ہیں کہ ان کا بھول جانا ہی ان کے لئے بہتر ہوتا ہے لیکن کام کی باتیں وہ کبھی نہیں بھولتے۔ کام کی باتوں میں وہ وعدے ہوتے ہیں جو ان کے پیہم مطالبات پر کیے جاتے ہیں۔خواتین سے وعدہ کیا گیا تھا انہیں ہر حال میں ۳۳ فیصد نمائندگی کا موقع دیا جائے گا۔ اس کے لئے سبھی سیاسی جماعتیں بڑی فراخدلی سے خواتین کی حمایت میں کوشاں ہوئی تھیں۔خواتین نے بھی ایسے تیور دکھائے تھے جن سے مترشح ہوتا تھا کہ اب وہ پارلیمنٹ کی کارروائی ہی نہ ہونے دیں گی اگر ایوان ہائے قانون ساز میں انہیں ۳۳ فیصد نمائندگی کا حق بصد قانون نہ دے دیا گیا۔ پارلیمنٹ کے ایک اجلاس کے بعد دوسرے اجلاس اور دوسرے سے موسم سرمایہ اور پھر موسم گرما یا بارانی اجلاس میں ہر حال میں بل منظور کرالینے کے وعدے ہوئے لیکن پارلیمنٹ کی معینہ مدت ختم ہوگئی اب کوئی اجلاس نہیں ہوگا اب انتخابات ہوں گے پھر کچھ دیکھا جائے گا۔ لیکن پھر کچھ نہ ہوسکے گا۔ آج سبھی سیاسی جماعتیں اپنے اپنے امیدواروں کو منتخب کررہی ہیں۔ ابھی تک سبھی پارٹیوں کی منشا تو ظاہر ہی ہوگئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پھر خواتین کو کوئی بھی پارٹی اتنی نشستیں نہیں دے رہی ہے کہ وہ کامیاب ہوکر پارلیمنٹ میں اپنی بہبود کے لئے اپنی طاقت سے کچھ کرسکتیں۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ خواتین جنہوں نے پارلیمنٹ میں اور اس کے باہر اپنا حق حاصل کرنے کے لئے بڑا جوش دکھایا تھا وہ کہیں نہیں نظر آرہی ہیں۔ کسی بھی پارٹی میں خواتین کی اتنی تعداد نہیں اور ان میں اتنی طاقتور رہنما نہیں جو کہ آج جب پارٹی کے امیدواروں کے ناموں پر غور کیا جارہا ہے زور دے کر کہہ سکیں کہ ان خواتین کو تو بہرحال پارٹی کو اپنا امیدوار بنانا ہی ہوگا کیونکہ آج تو سبھی کو پہلے خود اپنے لئے ٹکٹ چاہیے اور ٹکٹ اکڑ کر نہیں منت سماجت کرکے ملے گا۔ ایک ایک پارٹی کا نام لے کر دریافت کرلیا جائے کہ اس کے پاس کتنی ایسی خواتین ہیں جن کو وہ ستر فیصد کامیابی کی امید کے ساتھ امیدوار بناسکیں تو جواب بڑا مایوس کن ملے گا۔ کانگریس حد سے حد دس خواتین، بھارتیہ جنتا پارٹی چھ خواتین تو کمیونسٹ پارٹیاں تین سے زیادہ خواتین کے نام فخر اور اعتماد سے نہ پیش کرسکیں گی اب ان میں کتنی کامیاب ہوں گی۔ اور وہ پارلیمنٹ میں کس طرح اپنے مطالبات تسلیم کرواسکیں گی۔ یہ سب اس لئے دیکھنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ سبھی سیاسی جماعتیں اپنے وعدوں کے برخلاف کام کرنا ہی کامیاب سیاست کا گر سمجھنے لگی ہیں۔ اسی لئے جو کہا جاتا ہے وہ ہرگز نہیں کیا جاتا۔ سبھی سیاسی جماعتوں کو اعتراف ہے کہ سیاست میں جرائم کی آلودگی کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے اس پر تشویش کا اظہار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہر حال میں ایسے لوگوں کو لوک سبھا میں جانے سے روکا جائے جن پر بدعنوانیوں کے الزامات ہیں یا جن کا کردار کسی بھی طرح قابل تعریف نہیں۔ لیکن آج سبھی دیکھ رہے ہیں کہ تقریباً سبھی سیاسی جماعتیں بڑے بڑے گروہ بند بدکردار اور بدنام زمانہ لوگوں کو اپنا امیدوار بنانے میں ذرا بھی جھجک نہیں محسوس کررہی ہیں کہ انہیں یقین ہے کہ یہ اپنی طاقت، سرمائے اور بڑے بڑے گروہوں کے ذریعے آسانی سے کامیاب ہوجائیں گے۔ اس سے پارٹی کے کامیاب امیدواروں کی تعداد بڑھے گی۔ آج نہ کسی کا نام لینے کی ضرورت ہے اور نہ بہت زیادہ تلاش اور جستجو کی ضرورت ہے سبھی سیاسی پارٹیوں کے اہم امیدواروں میں بدنام لوگ سرفہرست ہیں۔ اب رہی نوجوانوں کو آگے بڑھانے کی بات تو اس کا بھی جائزہ لے لیا جائے اور دیکھ جائے کہ کانگریس کتنے نوجوانوں کو میدان میں اُتار رہی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے پاس کتنے نوجوان رہنما ہیں اور کمیونسٹ پارٹیاں کن کن نوجوانوں کو بڑے اعتماد اور فخر سے اپنا امیدوار بنارہی ہیں فوراً ہی معلوم ہوگا کہ نوجوان تو دال میں نمک کی طرح بھی نہیں ہیں۔

(روزنامہ آگ، لکھنؤ)

تیل کے بادشاہوں کا زوال

منور مرزا

۱۹۷۴ء کی عرب اسرائیل جنگ میں پہلی بار عرب ممالک نے صحیح معنوں میں اسرائیل کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تھا۔ پہلی مرتبہ امریکہ اور یورپی ممالک کو احساس ہوا کہ اسرائیل کا ساتھ دینا کتنا مہنگا سودا ہے۔ مشرق وسطیٰ کی سیاست اور صورتحال پر اس کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے اور اگر آج فلسطین نام کی کوئی اسٹیٹ دنیا میں ہے تو اس کی وجہ اسی زبردست دباؤ میں تلاش کی جاسکتی ہیں جو اس وقت ممکن ہوا تھا۔ اس سے قبل ۱۹۴۷ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۷ء میں عربوں کو اسرائیل کے ہاتھوں بار بار شکست کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ ۱۹۶۷ء میں قبلۂ اول، بیت المقدس بھی ان سے الگ کرلیا گیا۔ گو ۱۹۷۴ء میں مصر نے بہتر جنگی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ تاہم جس ہتھیار نے اسرائیل اور اس کے حلیفوں کو پسپائی پر مجبور کیا وہ تیل کا ہتھیار تھا۔ جسے پہلی مرتبہ عالمی سیاست میں کسی نے باقاعدہ حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا۔ اس حکمت عملی کے آگے جنگی طیارے اور ٹینک بے بس ہوکر رہ گئے۔ سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل نے باقی تیل برآمد کرنے والے عرب ممالک کے ساتھ مل کر بڑی دانشمندی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ اس ہتھیار کو استعمال کیا۔ انتہائی نپے تلے انداز میں تیل کی پیداوار میں کمی کی گئی، قیمتوں میں اضافہ کیا گیا۔ وقت کا ایسا صحیح تعین کیا گیا کہ یورپ اور امریکہ تک ہل گیا۔ آج بھی وہاں لوگ ۱۹۷۴ء کی سردیوں کو نہیں بھولے، جب یخ بستہ کمروں میں انتہائی سرد راتیں گزارنی پڑیں اور لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے ہوکر گاڑیوں میں تیل ڈلوانا پڑا تھا۔ فلسطین کا مسئلہ پھر ایک مرتبہ فوکس میں آگیا جس کے متعلق خیال کیا جارہا تھا کہ ۱۹۶۷ء کی عرب شکست کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے دفن ہوگیا۔ امریکہ، یورپ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کو بخوبی اندازہ ہوگیا کہ مشرق وسطیٰ میں اگر معاملات ٹھیک نہ ہوئے تو تیل کا بحران ان کے لئے ایک ڈراؤنا خواب بن جائے گا جو کبھی بھی حقیقت بن سکتا ہے۔ لیکن مغربی ترقی یافتہ دنیا نے اپنی عالمی لیڈرشپ قائم رکھنے کے لئے بڑے وسیع اور جامع انتظامات کر رکھے ہیں۔ جو ہمہ وقت بین الاقوامی صورتحال کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ جونہی کوئی تبدیلی نظر آئی فوراً اس کا توڑ تلاش کرلیا۔ تھنک ٹینکس، خصوصی تحقیقاتی ادارے، نجی ادارے، اعلیٰ تعلیمی درسگاہیں، حکومتی شعبے سب ہی اس مسئلے کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہوجاتے ہیں اور پھر مل جل کر ایسا لائحہ عمل تیار کرتے ہیں جو اس کا توڑ بن جاتا ہے۔ ان ممالک کو بخوبی اندازہ ہوگیا کہ تیل کا ہتھیار کیا ستم ڈھا سکتا ہے۔ یہ جب بھی بے نیام ہوگا، مغربی اور ترقی یافتہ دنیا جھکنے پر مجبور ہوجائے گی۔ پس ان کی جانب سے ایسی حکمت عملی تیار کی گئی کہ اول تو تیل کا بحران پیدا ہی نہ ہوا اور اگر کبھی ایسی نوبت آئے بھی تو اس کا پورا فائدہ انہی ممالک کو پہنچے۔

۱۹۸۶ء میں امریکہ نے بڑی کامیابی کے ساتھ تیل کا ہتھیار سوویت یونین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے استعمال کیا۔ ۱۹۸۵ء میں سوویت یونین کا تقریباً تمام تر دارومدار تیل پر تھا، جیسے آج بھی روس کا انحصار تیل پر ہے کہ یہ دنیا کا دوسرا سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا ملک ہے، اول سعودی عرب ہے۔ دسمبر ۱۹۸۵ء میں روس، افغانستان میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس کی معیشت پہلے ہی دباؤ میں تھی۔ اندرون ملک خاصی بے چینی پائی جاتی تھی، لیکن اس وقت تیل کی قیمت اونچی سطح پر تھی، یعنی تیس ڈالر فی بیرل...... جس کی آمدنی نے روس کے فوجی اور اقتصادی مقاصد کو بڑا سہارا دیا ہوا تھا، لیکن اچانک صرف چھ ماہ میں ۱۹۸۶ء کے وسط تک تیل کی قیمتیں گر کر دس ڈالر فی بیرل تک آگئیں اور ساتھ میں سوویت یونین کی اقتصادی قوت کا دھڑن تختہ ہوگیا۔ تیل کی قیمتیں پھر پانچ سال تک اسی سطح کے قریب رہیں اور سوویت یونین کے اقتصادی دباؤ نے اسے ۱۹۹۰ء تک ٹکڑے ٹکڑے کرکے بکھیر دیا۔ ایک سپر پاور کے صرف اتنے مختصر عرصے میں ختم ہوکر، ایک تباہ حال روس میں تبدیل ہونے کی داستان میں جہاں دوسرے عوامل کا ہاتھ ہے، وہیں تیل کے ہتھیار کے استعمال کا بھی بہت اہم رول ہے۔ لیکن ہمارے یہاں اس کا یا تو ادراک نہیں یا اس کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ ہی ہم نے اس پر کوئی تحقیقاتی کام کیا ہے کہ اقتصادی دباؤ ہمیں تیل کی وجہ سے کہاں سے کہاں لے جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ سوویت یونین کے پاس دنیا کی دوسری بڑی فوج اور ایک ہزار ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تھے جو دھرے کے دھرے رہ گئے۔

گزشتہ چودہ ماہ میں تیل کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی صورتحال تقریباً اسی انداز کی رہی ہے۔ ۲۰۰۸ء کے ستمبر تک جو تیل کی قیمت ۱۵۰ ڈالر فی بیرل تک جا پہنچی تھی وہ جنوری ۲۰۰۹ء میں ۳۳ ڈالر کی سطح پر دیکھی گئی، یعنی ۱۹۸۶ء کی قیمت سے صرف تین ڈالر زیادہ...... جبکہ وقت کے پل کے نیچے سے پچیس سال گزر چکے ہیں۔ ادھر دیگر اشیاء کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہوچکا ہے۔ ہم سونے کی قیمتوں کا اس ضمن میں آگے ذکر کریں گے اور اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے کہ ستمبر ۲۰۰۸ء کے اقتصادی بحران سے قبل ایسا معاشی استحکام دنیا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تیل برآمد کرنے والے ملکوں کی تنظیم اوپیک خود بھی حیران و پریشان ہے کہ کیا سے کیا ہوگیا۔

جو ملک جتنا زیادہ تیل استعمال کرتا ہے اتنی ہی اس کی ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے، یعنی تیل کی کھپت کا براہ راست تعلق اس کی ترقی سے ہے۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ تیل استعمال کرنے والا ملک امریکہ ہے جو ۲۰۸۰۰۰۰۰ بیرل روزانہ استعمال کرتا ہے۔ دوسرے نمبر پر چین ۷۰۰۰۰۰۰ بیرل اور تیسرے نمبر پر جاپان ۵۳۵۳۰۰۰ بیرل روزانہ استعمال کرتا ہے، جبکہ روس سے لے کر سعودی عرب تک تیل کا استعمال ۲۹۱۶۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰۰۰ بیرل روزانہ ہے۔ اس سے اگلے تو زیادہ تیل خرچ کرنے والے ملکوں میں فرانس، برطانیہ، اٹلی انڈونیشیا، تائیوان، تھائی لینڈ، آسٹریلیا شامل ہیں، جو ۱۹۹۴۰۰۰ سے ۹۰۳۰۰۰ بیرل تیل روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ اعداد وشمار دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اکیلے ہی پہلے سات سب سے زیادہ تیل خرچ کرنے والے ملکوں کے برابر تیل استعمال کرتا ہے۔ اس سے اس کی معیشت میں تیل کے انحصار پر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جبکہ یہ بات بھی زیر غور ہے کہ وہ تیسرا سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا ملک ہے۔ چین تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں پانچویں نمبر پر ہے جبکہ خرچ کرنے والوں میں آج دوسرے نمبر پر ہے۔ اس کی غیر معمولی ترقی کی رفتار نے تیل کی کھپت میں بھی غیر معمولی اضافہ کیا ہے۔ اسی وجہ سے تیل کی مانگ میں اضافہ ہوا اور تیل کی عالمی قیمتیں بہت اونچی سطح پر پہنچ گئیں۔ یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ سعودی عرب میں تیل کے زیادہ استعمال کی وجہ اس کی صنعتی ترقی سے زیادہ حج ہے۔ انڈونیشیا کا زیادہ خرچ اس کی بڑی آبادی کی وجہ سے ہے۔

اول تو تیل کے متبادل کے طور پر سستی توانائی حاصل کرنے کے جو منصوبے شروع کئے گئے تھے ان کا جواز ختم ہوکر رہ گیا۔ مزید تیل نکالنے کے منصوبوں میں سستی آگئی، یورپ اور امریکہ میں پن بجلی اور ایتھنول سے کاریں چلانے کا منصوبہ بے کار ہوگیا۔ حد یہ کہ ایٹمی توانائی سے بجلی حاصل کرنا بھی خسارے کا سودا ہوگیا۔

تیل کی قیمتیں جولائی ۲۰۰۸ء سے بڑھنا شروع ہوئیں اور ستمبر میں ۱۵۰ ڈالر فی بیرل تک جا پہنچیں جو ایک تاریخ ہے لیکن پھر اچانک اس نے اباؤٹ ٹرن لیا اور گرتے گرتے ۳۳ ڈالر تک آپہنچیں۔ یاد رہے کہ امریکہ میں آنے والا معاشی بحران اس کے متوازی چلتا رہا۔ گزشتہ پچاس برسوں سے تیل اور سونے کی قیمتیں ساتھ ساتھ اترتی چڑھتی رہی ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں ایک اونس سونے میں بارہ بیرل تیل ملتا تھا۔ آج ایک اونس سونے میں تیس بیرل تیل مل جاتا ہے۔ تیل کی قیمت ۲۰۰۳ء کے مقابلے میں پچاس فیصد بڑھی ہے جبکہ سونے کی قیمت اس عرصے میں دوگنی ہوگئی ہے۔ اس تناسب سے بھی دیکھا جائے تو تیل کی قیمتیں مسلسل گرنے کا رجحان ہے۔ ادھر عالمی اقتصادی بحران کے نتیجے میں دنیا بھر کے ملکوں کی اقتصادی کارکردگی نچلے درجے پر آگئی ہے۔ امریکہ اور یورپ جیسے شاہ خرچ معاشروں میں خریداری نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ سیاحت نہ ہونے کے برابر ہوگئی ہے۔ موٹریں چلانا کم کردی گئیں، صنعتی کاروبار ٹھپ پڑا ہے۔ سیاست بھول گئے ہیں۔ اقتصادیات کے سبق دہرائے جارہے ہیں۔ ماہرین کے مطابق اگر یہ ۴۵ ڈالر پر بھی آجاتی ہے تو بھی تیل پیدا کرنے والوں کے لئے بحران ویسا ہی رہے گا۔ اس وقت اوپیک افراتفری سے دوچار ہے۔ تین اجلاسوں کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ سات فیصد تیل کی پیداوار میں کمی کی جائے گی جو تقریباً ۲۰۲ ملین بیرل روزانہ ہوا۔ دیکھا جائے تو یہ غیر معمولی کمی ہے لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ تیل کی قیمتیں اسی طرح گرتی رہیں، ٹھہراؤ یا چڑھاؤ کی صورت نظر نہیں آرہی۔

تیل کی قیمتوں کے بحران کو اگر عالمی معاشی بحران کے ساتھ ملاکر دیکھا جائے تو صورت حال اور زیادہ تکلیف دہ ہوجاتی ہے۔ اس کے دوررس اور وسیع اثرات نظر آرہے ہیں۔

اول تو تیل کے متبادل کے طور پر سستی توانائی حاصل کرنے کے جو منصوبے شروع کئے گئے تھے ان کا جواز ختم ہوکر رہ گیا۔ مزید تیل نکالنے کے منصوبوں میں سستی آگئی، یورپ اور امریکہ میں پن بجلی اور ایتھنول سے کاریں چلانے کا منصوبہ بے کار ہوگیا۔ حد یہ کہ ایٹمی توانائی سے بجلی حاصل کرنا بھی خسارے کا سودا ہوگیا۔

دوسری جانب جن ملکوں کا کلی دارومدار تیل کی آمدنی پر تھا، ان کے لئے یہ انتہائی کم قیمتیں ایک سانحے سے کم نہیں۔ مثال کے طور پر مشرق وسطیٰ کے تیل برآمد کرنے والے ممالک پر اس کا بہت منفی اثر پڑا ہے۔ سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات وغیرہ میں تمام بڑے بڑے منصوبوں کو دھچکا لگا ہے۔ خاص کر تعمیراتی منصوبوں میں زبردست کٹوتی کرنا پڑی ہے جس کی وجہ سے ان ممالک میں مقیم غیر ملکی ماہرین، مزدور اور دوسرے شعبوں سے منسلک افراد میں بیروزگاری کا خوف پیدا ہوگیا ہے۔ تکلیف کی بات تو یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر وہ افراد ہیں جن کے ملکوں میں روزگار کی صورتحال پہلے ہی خراب ہے۔ ان میں سے ایک ایک فرد کی نوکری پر کئی کئی خاندان پل رہے ہیں۔ وہاں کی ذرا بھی غیر مستحکم صورتحال یہاں بھی اذیت کا باعث ہوگی۔ امریکہ اور ترقی یافتہ ممالک کی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اور مالیاتی ادارے دیوالیہ ہوجانے کی وجہ سے ہزاروں افراد کو ہر ملک میں بیروزگار کررہی ہیں۔

اس سے ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر کوئی ماہر یا دانشور اس امر پر تالیاں بجا رہا ہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک کا اقتصادی بحران صرف ان کا معاملہ ہے تو وہ شاید عالمی اقتصادی صورتحال سے آگاہ نہیں یا پھر گلوبلائزیشن نے کس کس طرح دنیا کے ملکوں کو منسلک کر رکھا ہے، اس سے نابلد ہے۔ اس کی وجہ سے مختلف ملکوں کا ایک دوسرے پر انحصار کس قدر بڑھ گیا ہے اس کا اندازہ گزشتہ بیس برس کی معیشت کا جائزہ لینے سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ آج تقریباً تمام ممالک ایک دوسرے پر معاشی طور پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔ اس لئے دوسرے کی تباہی پر خوش ہونا درحقیقت خود پہ آنے والی مصیبت سے غافل ہونا ہے جو کسی طور بھی عقلمندی نہیں کہلائی جاسکتی۔

ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ترقی یافتہ ممالک میں صحت، تعلیم اور ٹیکنالوجی کے دیگر شعبوں میں جو کام ہورہا ہے اس کا فائدہ بعد میں کم ترقی یافتہ ملکوں میں منتقل ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر طب میں ہونے والی پیش رفت جس میں دل کے امراض، کینسر کی نئی ادویات حد یہ کہ سر کے درد کی نئی گولیاں تک شامل ہیں، ان ہی ممالک سے تیل تیار ہوکر کم ترقی یافتہ ملکوں تک پہنچتی ہیں۔ ان ہی کے پاس وہ بنیادی تحقیقاتی ڈھانچہ اور ٹیکنالوجی ہے جس پر ایسی ایجادات کا دارومدار ہے۔ اب اگر کسی اقتصادی بحران کی وجہ سے یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کے چھوٹے ممالک میں رہنے والے لوگوں پر کیا منفی اثرات پڑیں گے؟

اس معاملے کو اگر ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تیل برآمد کرنے والے ممالک، خاص کر عرب ممالک، غریب ملکوں کو ترقیاتی اسکیموں کے لئے قرضے، مختلف تجارتی اور مالیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری، قرضے پر تیل کی فراہمی اور معاشی بحران میں مالیاتی امداد دیتے رہے ہیں۔ اب اگر یہ ممالک خود اقتصادی بحران خاص کر زر مبادلہ کی کمی کا شکار ہوجائیں تو پھر وہ کم ترقی یافتہ ممالک کی امداد کیسے کریں گے۔

مشرق وسطیٰ کی طرح ایران اور وینزویلا کا معاملہ بھی تیل کی قیمتوں سے منسلک ہے، لیکن یہ دونوں ممالک اس وقت امریکہ اور مغربی دنیا کے ساتھ تنازعات میں الجھے ہوئے ہیں اور اسی لحاظ سے ان پر اثرات بھی زیادہ شدید نوعیت کے ہیں۔ ایران ایٹمی ہتھیار کے الزامات کا سامنا کررہا ہے لیکن وہ اس سے قطعاً انکار کرتا ہے اور اصرار کرتا ہے کہ پرامن استعمال کے لئے ایٹمی ٹیکنالوجی کا حصول اس کا حق ہے مگر مغربی دنیا اس پر ہتھیار بنانے کا الزام لگاتی ہے اور اسی سلسلے میں ایران کو اقوام متحدہ کی طرف سے پابندیوں کا بھی سامنا ہے۔ ایران اب تک تیل کی آمدنی کی وجہ سے معاشی طور پر مضبوط رہا ہے۔ اسی لئے اب تک وہ اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا، لیکن آج صورتحال کیا بن رہی ہے۔ ذرا اس پر نظر ڈال لی جائے۔ ایران کی کل آمدنی کا ۸۵ فیصد تیل پر منحصر ہے جو اسے برآمدات سے حاصل ہوتا ہے۔ ۱۵۰ ڈالر فی بیرل کے حساب سے تو یہ بہت خوب تھی، لیکن چالیس ڈالر سے کم ہونے پر وہ اپنے بجٹ میں زبردست کٹوتی پر مجبور ہوگیا ہے جو بہت واضح فرق ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایران چار ملین بیرل روزانہ کی آمدنی کی بنیاد پر قومی خرچ کرتا تھا۔ اب جبکہ یہ چالیس ڈالر سے نیچے آگیا ہے تو اسے تقریباً ۲۳۰ ملین ڈالر فی دن کے خسارے کا سامنا ہے جس سے اس کی معیشت پر منفی اثرات کے نتیجے میں لوگوں پر کیا اثرات رونما ہوں گے۔ اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ وہ کہاں تک اب مزید بین الاقوامی دباؤ برداشت کرنے کے قابل ہوگا، خاص کر جبکہ ایران میں انتخابات مئی میں ہونے والے ہیں۔

وینزویلا کی اقتصادی حالت کو بھی زبردست دھچکا لگا ہے، یہ بھی ان ممالک میں پیش پیش ہے جو امریکہ اور مغربی ملکوں کی کھل کر مخالفت کرتے رہے ہیں۔ اس کا تمام تر دارومدار تیل کی آمدنی پر ہے۔ تیل کی قیمتوں میں گراوٹ نے اس کو شدید مشکل سے دوچار کردیا ہے۔ شاویز حکومت کے لئے اب اپنی شدید مخالف پالیسیوں پر قائم رہنا مشکل ہوگیا ہے۔ لوگوں میں بے چینی بڑھ رہی ہے اور حکومتی پالیسیوں میں تبدیلی کے آثار ابھی سے نظر آنا شروع ہوگئے ہیں۔

روس کو آج پھر ۱۹۸۶ء جیسی صورتحال کا سامنا ہے یعنی اس کی تیل پر انحصار کرنے والی معیشت کو شدید دباؤ کا سامنا ہے۔ دس سال کی زبردست تگ ودو کے بعد یہاں صدر ولادیمیر پوتن کی حکومت کو اب استحکام حاصل ہورہا تھا۔ لوگ مطمئن ہونے شروع ہوئے تھے۔ روس کافی عرصے خاموش رہنے کے بعد خارجہ پالیسی میں عالمی طور پر متحرک ہورہا تھا۔ اس کی فوجیں جارجیا اور پھر کیوبا میں متحرک نظر آئیں۔ یوں لگا کہ شاید روس پھر ایک مرتبہ امریکہ کے اقتصادی بحران کو سامنے رکھ کر عالمی میدان میں سپر پاور بننے کی جانب پیش قدمی کررہا ہے۔ لیکن تیل کی قیمتوں میں شدید مندی نے اس کے خوابوں کو فی الحال حقیقت بننے سے روک دیا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ پیداوار کے لحاظ سے روس آج دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر ہے اور اس کا تمام تر دارومدار صرف تیل کی آمدنی پر ہے۔ اب جتنا بڑا ملک، جتنی زیادہ تیل کی پیداوار اور جتنا زیادہ تیل پر انحصار، اتنی بڑی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے اتنا ہی بڑا جھٹکا۔ اس طرح روس تیل کی کم قیمتوں کی وجہ سے نقصان اٹھانے والوں میں سرفہرست ہے۔ ۱۵۰ ڈالر فی بیرل روزانہ میں کمی آئی ہے اس کے اثرات جاننے کے لئے کسی بڑی دانشمندی کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بتانا کافی ہوگا کہ روس کے تقریباً تمام منصوبے متاثر ہوئے ہیں اور اسے پانچ سو ملین ڈالر روزانہ کی کمی کا سامنا ہے، جس نے اس کے دونوں زر مبادلہ کے قومی ریزرو کے فنڈ جو ۴۵۰ بلین ڈالر دو سو بلین بالترتیب ہیں، پر زبردست دباؤ ڈال دیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان میں دو سو بلین ڈالر کی کمی ہوچکی ہے۔

قطعی طور پر تو یہ کہنا ممکن نہیں کہ آج تیل ہتھیار کس کے پاس ہے لیکن تیل پیدا کرنے والوں اور تیل استعمال کرنے والوں کے درمیان توازن طلب اور رسد کے اصول کے تحت صنعتی ملکوں کے حق میں ہے۔ زیادہ پیداوار، زیادہ تیل کی طلب کرتی ہے اور اسی سے تیل کی قیمتیں اوپر آتی ہیں۔ اگر صنعت کا پہیہ رک جائے، کساد بازاری ہو تو تیل کی طلب کم ہوجائے گی یا گھٹ جائے گی اور تیل پیدا کرنے والوں پر اس کا منفی اثر پڑے گا۔ دونوں میں توازن سب کی بھلائی ہے۔ ●●

وہی پرانا فارمولہ

سنجے سنگھ

بہوجن سماج پارٹی کی سربراہ اور اترپردیش کی وزیر اعلیٰ محترمہ مایاوتی نے آئندہ لوک سبھا انتخاب میں ریاست کے تمام 80 سیٹوں کے لئے اپنے امیدواروں کی فہرست جاری کردی ہے جس میں 14 مسلمانوں کو ٹکٹ دیے گئے ہیں۔ جن میں شاہد صدیقی، اکبر احمد ڈمپی، الیاس اعظمی، شفیق الرحمان برق اور موودو مدنی شامل ہیں۔

مجموعی طور پر مایاوتی نے ایک تہائی ٹکٹ اونچی ذات والوں کو دینے کے علاوہ کئی مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے افراد کو بھی ٹکٹ دیے ہیں۔ مایاوتی لوک سبھا انتخابات میں حصہ نہیں لے رہی ہیں اس لئے کشی نگر حلقہ سے پارٹی کے ریاستی سربراہ سوامی پرساد موریہ کو امیدوار بنایا گیا ہے۔ 2007 میں اترپردیش اسمبلی انتخابات میں مایاوتی نے دلت اور برہمن کو ملاکر اور مجموعی طور پر سوشل انجینئرنگ کرکے اکثریت حاصل کی تھی اور بڑے بڑے سیاسی پنڈتوں کو دندان شکن جواب دیا تھا۔ کل 80 سیٹوں میں محترمہ مایاوتی نے بیس ٹکٹ برہمن امیدوار کو جبکہ چھ ٹکٹ ٹھاکر امیدواروں کو دیے ہیں۔

اس کے علاوہ پارٹی نے کم از کم دس رخصت پذیر لوک سبھا کے ایسے موجودہ ممبروں کو ٹکٹ دیے ہیں جو گزشتہ انتخابات دیگر پارٹیوں کے ٹکٹ پر جیتے تھے۔ مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے جن افراد کو ٹکٹ دیے گئے ہیں ان میں بدایوں سے ڈی پی یادو، وارانسی سے مختار انصاری، غازی پور سے مختار انصاری کے بڑے بھائی افضل انصاری، جونپور سے دھننجے سنگھ اور اناؤ سے ارون شنکر شکلا عرف انا شامل ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے پارٹی کے موجودہ ممبر اوما کانت یادو کو مچھلی شہر حلقہ کیلئے ٹکٹ دینے سے انکار کردیا ہے۔ سیتاپور کے پارٹی کے امیدوار بنیاد انصاری کی جگہ اب وہاں ایک پارٹی اسمبلی ممبر کی اہلیہ قیصر جہاں کو ٹکٹ دیا گیا ہے۔ اس فہرست میں تین قانون سازوں کی بیویوں کو ٹکٹ دیے گئے ہیں۔ ان میں ضمیر انصاری کی اہلیہ قیصر جہاں کو سیتاپور سے، ریاستی وزیر جسویر سنگھ کی اہلیہ راج کماری چوہان کو علی گڑھ سے اور بجلی کے ریاستی وزیر رام ویر اپادھیائے کی اہلیہ سیما اپادھیائے کو فتح پور سیکری سے ٹکٹ دیے گئے ہیں۔ اسمبلی میں پارٹی کے پانچ موجودہ اسمبلی ممبر بھی ریاست میں لوک سبھا حلقہ سے امیدوار ہیں۔ جن چودہ مسلمانوں کو مایاوتی نے لوک سبھا انتخابات میں اپنا امیدوار بنایا ہے ان کی فہرست یہ ہے۔ (1) کیرانہ سے محترمہ تبسم بیگم، (2) مظفر نگر سے قادر رانا (3) بجنور سے شاہد صدیقی (4) سنبھل سے شفیق الرحمان برق (5) امروہہ سے موودو مدنی (6) بریلی سے اسلام صابر انصاری (7) کھیری سے الیاس اعظمی (8) سیتاپور سے قیصر جہاں (9) سلطانپور سے محمد طاہر (10) ڈومریا گنج سے محمد مقیم (11) اعظم گڑھ سے اکبر احمد ڈمپی (12) غازی پور سے افضل انصاری (13) وارانسی سے مختار انصاری۔ لوک سبھا کے انتخابات میں تجا خم ٹھونکنے والی بہوجن سماج پارٹی (بی ایس پی) کی سربراہ مایاوتی نے کیرالہ سے اپنی انتخابی مہم کا آغاز کرنے کا اعلان کیا۔ محترمہ مایاوتی نے یہاں صحافیوں سے کہا کہ پچاس روز کی انتخابی مہم میں وہ تقریباً تمام ریاستوں کا دورہ کرکے ان پارلیمانی حلقوں میں جائیں گی جہاں پارٹی کے امیدوار ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ الیکشن سے قبل کسی بھی پارٹی کے ساتھ تال میل یا اتحاد نہیں ہوگا۔ محترمہ مایاوتی نے کہا 'ملک کے تمام پارلیمانی حلقوں میں جانے کی ان کی کوشش ہوگی۔ ووٹروں کے لئے انہوں نے خصوصی انتخابی اپیل جاری کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ریاست کی ترقی ہی ان کا اصل انتخابی موضوع ہے۔ جنوب کی ریاست سے اپنی انتخابی مہم شروع کرنے سے متعلق سوال کے جواب میں محترمہ مایاوتی نے کہا کہ بی ایس پی کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اور اسے پورے ملک میں پھیلانا ہے اس لئے یہ بات بے معنی ہے کہ انتخابی مہم کا آغاز کہاں سے ہورہا ہے۔ انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ تیسرے مورچہ کی حمایت کے سوال پر وہ آل انڈیا انا ڈی ایم کے (اے آئی اے ڈی ایم کے) کی صدر جے جے للیتا سے ملاقات کریں گی۔ انہوں نے کہا کہ دیگر پارٹیوں کے لیڈروں سے ملنے کا ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مایاوتی جہاں تیسرے محاذ میں شامل ہیں وہاں وزیر اعظم کے عہدے کا بھی دعویٰ ٹھونک چکی ہیں۔ عام انتخاب میں مایاوتی نے وہی فارمولہ اختیار کیا ہے جو اترپردیش کے اسمبلی انتخاب میں اختیار کیا تھا۔ ان کی تنظیم دلتوں اور پچھڑوں کی تنظیم ہے لیکن انہوں نے ٹکٹ کی تقسیم میں برہمنوں کو دل کھول کر ٹکٹ اسی طرح دیا ہے جس طرح اسمبلی انتخاب میں دیا تھا اور جو ان کی فتح کا سبب بنا تھا۔ مسلمانوں کو 80 میں 14 سیٹیں دے کر انہوں نے دیگر تنظیموں پر سبقت لے جانے کی بھی کوشش کی ہے۔ یہی نہیں امیدواروں کے انتخاب میں ان کی لیاقت کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے کئی لوگ اب بہوجن سماج پارٹی کے ٹکٹ پر میدان میں ہیں جو پہلے سماجوادی پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ چکے ہیں اور جیت چکے ہیں۔ سماجوادی پارٹی کی کلیان سنگھ سے قربت بھی مایاوتی کے حق میں ہے۔ اس معاملے پر ناراض اعظم خاں کو ملائم سنگھ نے ضرور منالیا ہے لیکن پارٹی کے جنرل سکریٹری امر سنگھ نے کھلم کھلا اعظم خاں کی تنقید کی ہے۔ شاید اعظم خاں کو منانا امر سنگھ کو پسند نہیں آیا وہ (امر سنگھ) انہیں (اعظم خاں) کو پارٹی سے ہٹانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو امر سنگھ یہ کہتے کہ ان کا اور اعظم خاں کا ایک ساتھ کام کرنا مشکل ہے۔ اعظم خاں کے بارے میں امر سنگھ کا تازہ بیان قابل توجہ ہے۔ دراصل سماجوادی پارٹی کا معاملہ اس بار کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ مرکز میں کانگریس کی حکومت بچانے والی تنظیم اب کانگریس کے خلاف انتخابی میدان میں ہے کیونکہ سیٹوں پر تال میل نہیں ہوسکا۔ سماجوادی پارٹی کانگریس کے لئے صرف 6 سیٹیں چھوڑنا چاہتی تھی جو کانگریس کو منظور نہیں ہوا۔ وہ کم از کم 25 سیٹیں چاہتی تھی۔ امر سنگھ نے اس پر بڑا دلچسپ تبصرہ کیا۔ انہوں نے پھر بابری مسجد کا رڈ کھیلا اور کہا کہ 25 سیٹیں دے دیں گے کانگریس بابری مسجد شہید کرنے والوں کو سزا دلوائے۔ بیان دیتے وقت امر سنگھ شاید یہ بھول گئے تھے کہ بابری مسجد کی شہادت کا سب سے بڑا ذمہ دار اب ان کا دوست ہے۔ بہر حال! یہ سب مایاوتی کے حق میں ہے۔ (میڈیا اسٹار)

شمالی آئرلینڈ میں شورش نے پھر سر اٹھایا

اختر علی

شمالی آئرلینڈ سالہا سال سے پُرتشدد کارروائیوں، فرقہ واریت اور حریت پسندوں کی جانب سے شمالی آئیرلینڈ کی برطانیہ کے تسلط سے آزادی کے لئے مسلح عسکری کارروائیوں کا مرکز رہا ہے۔ گزشتہ ایک دہائی سے اس قسم کی کارروائیوں میں خاصی حد تک کمی آئی تھی، جس سے یہ ادراک کیا جارہا تھا کہ غالباً شمالی آئرلینڈ کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے گروپوں اور تنظیموں کی سرگرمیاں ماند پڑ چکی ہیں اور وہاں کے تمام عوام اور تنظیمیں برطانیہ کے تسلط کو خوش دلی یا بددلی کے ساتھ تسلیم کر چکی ہیں۔ گزشتہ ہفتے دو برطانوی فوجیوں کی ہلاکت نے ایک مرتبہ پھر برطانیہ کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے جس کے بعد پھر یہ سمجھا جارہا ہے کہ برطانوی سماج سے آزادی کے لئے حریت پسند ایک طویل عرصے کی خاموشی کے بعد پھر فعال ہو چکے ہیں۔ دو برطانوی فوجیوں کی ہلاکت کے بعد تمام حلقوں کی جانب سے یہ الزام عائد کیا جارہا ہے کہ یہ ری پبلکن گوریلوں کی کارروائی ہے جو برطانیہ سے آزادی اور متحدہ آئرلینڈ کے قیام کے لئے مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔ ری پبلکن گروپ کا ایک ونگ حکومت میں شامل ہے جس نے حالیہ کارروائی کی بھرپور مذمت کر کے اپنے پروٹسٹنٹ اتحادیوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ ان کا اس کارروائی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن ان کے اس اقدام سے یہ توقع کی جارہی ہے کہ وہ اب نیشنلسٹ گروپ کی حمایت اور پشت پناہی کھو دیں گے۔ آئرش ری پبلکن نے برطانوی حکومت کے حمایت یافتہ پروٹسٹنٹ کی اس موقع کے بعد پذیرائی حاصل کی تھی جس میں انہوں نے شمالی آئرلینڈ کو برطانیہ کے تسلط میں رکھنے کا موقف اختیار کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ جو گروپس اور تنظیمیں علاحدگی کے لئے کام کررہی ہیں وہ غداروں کے زمرے میں آتی ہیں۔

گزشتہ ہفتے شمالی آئرلینڈ میں برطانوی فوجی اڈے پر حملے کی برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن نے شدید مذمت کی۔ ان کے مطابق اس طرح کی کارروائیوں سے امن کے عمل کو شدید دھچکا لگ سکتا ہے۔ شمالی آئرلینڈ کی انٹرم کاؤنٹی میں میسرینی کے فوجی اڈے پر حملے میں دو فوجیوں کے ہلاک ہونے کے علاوہ چار دوسرے افراد زخمی ہوگئے تھے جن میں پیزا پہنچانے والے دو ملازمین بھی شامل تھے۔ ہلاک ہونے والے دونوں فوجی جلد ہی افغانستان میں تعینات برطانوی افواج میں شامل ہونے کے لئے افغانستان جانے والے تھے۔ اس واقعے کے بعد برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن نے میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ہم شمالی آئرلینڈ کو محفوظ اور پرامن بنانے کے لئے پوری کوشش کریں گے اور اس واقعے میں ملوث قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ چیف سپرنٹنڈنٹ ڈیرک ریسز نے اس واقعے کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ ہفتہ ۷/مارچ کی رات نو بج کر بیس منٹ پر پیزا بنانے والی ایک سروس کو اینٹرم فوجی بیرکس میں پیزا پہنچانے کو کہا گیا، جب وہ وہاں پہنچے تو ایک گاڑی سے ان پر فائرنگ کی گئی۔ جب چھ افراد زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے تو حملہ آوروں نے قریب آ کر ان پر دوبارہ فائرنگ کی۔

شمالی آئرلینڈ میں جاری کشمکش اور آزادی کی تحریک خاصی پرانی ہے، جس کے اثرات متعدد بار آئرلینڈ ریپبلک اور پورے یورپ تک نفوذ کر چکے ہیں۔ آئرلینڈ کے شورش زدہ عرصے کو عمومی طور پر ۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۸ء میں ہونے والے بلفاسٹ معاہدے تک سمجھا جاتا ہے۔ آئرلینڈ میں بنیادی اختلافی اور نزاعی مسئلہ شمالی آئرلینڈ کی آئینی حیثیت اور وہاں پر بسنے والی دو اہم کمیونٹیز پروٹسٹنٹ یونینسٹ اور کیتھولک نیشنلسٹ کا دو نظریاتی، فکری اور عملی تفاوت ہے۔ شمالی آئرلینڈ کے مسئلے کی سیاسی، مذہبی اور عسکری کئی جہتیں ہیں۔ دونوں بڑے گروپوں کے نہ صرف یہاں بلکہ برطانیہ اور ری پبلک آف آئرلینڈ میں بھی سیاسی اور عسکری سرگرم ونگز اور فعال کارکن ہیں جو اپنے اپنے موقف اور نظریات کے پرچار کے لئے نہ صرف سیاسی پلیٹ فارم استعمال کرتے ہیں، بلکہ اپنے اپنے عسکری گروپوں کے ذریعے پرتشدد کارروائیوں سے بھی گریز نہیں کرتے۔ انہی عسکری گروپوں میں آئرش ریپبلکن آرمی کا کردار خاصا نمایاں اور فعال رہا ہے، جس نے ۱۹۶۹ء سے ۱۹۹۷ء کے دوران برطانوی تسلط کے خاتمے اور اس کے ری پبلک آف آئرلینڈ سے الحاق کے لئے پرزور عسکری تحریک جاری رکھی۔

۱۹۶۶ء میں السٹر والنٹیئر فورس وجود میں آئی۔ شمالی آئرلینڈ کی پرتشدد تاریخ میں برطانوی سیکورٹی فورسز کا کردار بھی خاصا متنازعہ اور ظالمانہ رہا ہے۔ برطانوی حکومت کا دعویٰ رہا ہے کہ اس کی فورسز شمالی آئرلینڈ میں قیام امن اور قانون کی بالادستی کے لئے کام کرتی رہی ہیں جب کہ حقائق وشواہد اور مختلف رپورٹس کچھ اور راز افشا کرتی رہی ہیں، جن کے مطابق برطانوی سیکیورٹی فورسز یہاں پر ہونے والے پرتشدد واقعات میں کہیں بلاواسطہ اور کہیں یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ ریاستی فورسز لائلسٹ فورسز کی مسلح طور پر مدد اور پشت پناہی کرتی رہی ہیں۔ پولیس کے محتسب نے اپنی "بلاسٹ" تحقیقی رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی کہ ریاستی فورسز بالخصوص رائل السٹر کانسٹیبلری (RUC) متعدد مواقع پر لائلسٹ پیراملٹری فورسز کے ساتھ مل کر قتل وغارت گری میں ملوث رہی ہے اور ساتھ ساتھ انہوں نے حقائق کو چھپانے اور اسے مسخ کرنے کے لئے اس کی راہ میں حائل ہونے کی بھی کوشش کی ہے، جب کہ ریاستی ادارے اور سیکورٹی فورسز نے ان رپورٹوں کو جعلی اور جھوٹا قرار دیا ہے۔

۱۹۹۸ء میں طے پانے والے "بلفاسٹ معاہدہ" کو شمالی آئرلینڈ کی شورش زدہ تاریخ میں ایک اہم سنگ میل قرار دیا جاتا ہے، جو کہ عوام الناس میں "گڈ فرائی ڈے معاہدہ" کے نام سے مشہور ہے جس میں بیشتر پیراملٹری فورسز اور عسکری تنظیموں کی جانب سے جنگ بندی اور ہتھیاروں کو مکمل طور پر پھینک دینے پر اتفاق ہوا۔ اس کی ایک شق میں برطانوی حکمرانی کو یہاں جائز قرار دیا گیا جس کے بارے میں بہت سی آنے والی آئرلینڈ کی حکومتوں نے تحفظات کا اظہار کیا۔ لیکن اس معاہدے کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ پہلی مرتبہ برطانوی حکومت نے یہ تسلیم کیا کہ شمالی اور جنوبی آئرلینڈ کے باشندے بغیر کسی بیرونی مداخلت کے باہمی مشاورت اور مذاکرات کے ذریعے اپنے مسائل کو حل کریں گے۔ یہی وہ نکتہ تھا جس کی وجہ سے نیشنلسٹ اور ری پبلکن نے اس معاہدے کی حمایت کی تھی اور اس معاہدے میں یہ بھی طے پایا تھا کہ شمالی آئرلینڈ میں آئندہ بننے والی حکومتوں میں دونوں یونینسٹ اور نیشنلسٹ پارٹیوں کو مناسب نمائندگی دی جائے گی۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۹۸ء کے دوران متعدد بار ملک خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔ ان میں سے ایک ۱۹۷۲ء میں "خونی اتوار" کے بعد حالات اور دوسرے ۸۱/۱۹۸۰ء کے دوران ہونے والی بھوک ہڑتال تھی جس دوران دونوں کمیونٹیز کے عسکری گروپ انتہائی فعال ہو چکے تھے۔

آئرش ری پبلکن آرمی کی بڑھتی ہوئی طاقت اور آزادی کے لئے مسلح کارروائیوں کو روکنے کے لئے مئی ۱۹۶۶ء میں سرکاری سرپرستی میں السٹر والنٹئر فورس (UVF) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بنیادی طور پر یہ ایک غیر قانونی عسکری لشکر تھا جس نے متعدد ظالمانہ اور بھیانک کارروائیوں میں حصہ لیا۔ ۲۱/مئی ۱۹۶۶ء کو انہوں نے اپنا لائحہ عمل جاری کیا جس میں انہوں نے کہا کہ آج سے ہم آئی آر اے کے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ تمام آئی آر اے کے کارندوں کو بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا، اور جو لوگ آئی آر اے کی پشت پناہی کریں گے ان کے خلاف بھی اسی قسم کی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ اس کے بعد شمالی آئرلینڈ میں کیتھولک فرقے سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ پُرتشدد کارروائیوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ملک میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت اور فرقہ واریت کے خلاف ۱۹۶۸ء میں شمالی آئرلینڈ سول رائٹس ایسوسی ایشن (NICRA) نے امن مارچوں کا سلسلہ شروع کیا جس کو حکومتی اداروں اور پولیس نے آڑے ہاتھوں لیا اور ان کو روکنے کے لئے مارچ کے شرکاء پر اندھا دھند لاٹھی چارج کیا۔ لیکن سول رائٹس ایسوسی ایشن نے اپنی تحریک کو امریکہ کے سیاہ فام رہنما مارٹن لوتھر کنگ کی طرز پر ڈھالنے کا عزم کیا۔ سول رائٹس ایسوسی ایشن کے بیشتر مظاہروں کو ناکام بنانے کے لئے پروٹسٹنٹ لائلسٹ کے کارندوں نے ان پر مسلح حملے کئے۔ جن میں عسکری گروپ رائل السٹر کانسٹیبلری بھی پیش پیش رہا۔ دونوں متحارب گروپوں کی مڈبھیڑیں ۱۹۶۹ء میں انتہائی شدت اختیار کر گئیں۔ جب بلفاسٹ، نیوری اسٹرابین سمیت متعدد شہروں میں خانہ جنگی کی سی کیفیت بن گئی اور ۱۲/اگست سے ۱۴/اگست کے درمیان برطانوی فوج کی مداخلت تک یہ شہر میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ اس دوران لاتعداد گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا، بے شمار ہلاکتیں ہوئیں۔ حکومتی حمایت کی حامل رائل السٹر کانسٹیبلری کے غیر قانونی اور نجی مسلح لشکر نے گاڑیوں میں بڑی بڑی مشین گنیں نصب کر کے بے دریغ فائرنگ کی، جس میں کیتھولک آبادی کو خصوصی طور پر ٹارگٹ کیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں ایک مرتبہ پھر کشیدگی دیکھتے ہوئے ۱۹۷۰ء کے اوائل میں آئی آر اے کا ایک ذیلی ونگ "پروویژنل آئی آر اے" وجود میں آیا۔ جس کا مقصد ان پر ہونے والے حملوں کو عسکری طریقے سے روکنا تھا تاکہ حکومتی سرپرستی میں کام کرنے والے عسکری گروپوں کا اسی انداز میں جواب دیا جاسکے۔ ۱۹۸۱ء میں دس ری پبلکن قیدیوں کی جانب سے کی جانے والی بھوک ہڑتال نے ان کی تحریک کو نیا جوش دیا، جس میں نیشنلسٹ کمیونٹی کے لاکھوں حامی شریک ہوگئے۔ اسی اثناء میں آئی آر اے کا ایک سیاسی ونگ "سن فین" بھی وجود میں آیا جس نے پہلی مرتبہ انتخابات میں حصہ لے کر اپنے آپ کو ایک سیاسی جماعت کے طور پر متعارف کرایا۔ ۲۰۰۶ء میں آئرلینڈ کی حکومت کی جانب سے ایک رپورٹ جاری کی گئی جس میں اس پہلو کو منظر عام پر لایا گیا۔ شمالی آئرلینڈ میں ہونے والے فسادات اور پرتشدد کارروائیوں میں برطانوی سیکیورٹی فورسز، لائلسٹ عسکری ونگ کو ہر ممکنہ پشت پناہی کرتی رہی تھیں۔ اس میں یہ بھی انکشاف کیا گیا کہ سیکورٹی فورسز کو ری پبلکن کے مشتبہ ارکان کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکام صادر کئے گئے تھے۔

شمالی آئرلینڈ ہمیشہ سے ہی انتہائی حساس ایشو رہا ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ سردی گرمی آتی رہی ہے۔ "گڈ فرائی ڈے معاہدے" کے بعد ایک دہائی کی خاموشی اور قدرے پرامن عرصہ کے بعد یہ سمجھا جارہا تھا کہ شاید شمالی آئرلینڈ کی آزادی کی تحریک دم توڑ چکی ہے، مگر حالیہ واقعہ ایک ایسی چنگاری کی طرح ثابت ہوسکتا ہے جس کے بعد ایک مرتبہ پھر شمالی آئرلینڈ آگ کی لپیٹ میں آسکتا ہے۔ مختلف حلقوں کی جانب سے خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ اس نوعیت کے واقعات مزید رونما ہوسکتے ہیں اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک شمالی آئرلینڈ کی ایک بڑی آبادی کا مطالبہ یعنی برطانیہ سے آزادی اور متحدہ آئرلینڈ کا قیام پورا نہیں ہوجاتا۔ ●●

بقیہ: دھوکہ باز، عہد شکن کا جھنڈا......

حسب سابق خواب غفلت کے کوڑے سے اپنے تن داغ داغ کو پھر سے داغدار بنانے کا نوابی عطیہ و نذرانہ پیش کردے گی۔ آزادئ ہند کے بعد سے مفادات حاصلہ نے جو دُرگت اس قوم بیضاء کی بنائی ہے وہ اس نصف صدی میں قریب قریب اس حالت کو پہنچ چکی ہے جس حالت پر ہزارہا سال کی گردشوں میں اعلیٰ ذات کے ہاتھوں نچلی و پچھلی ذات برادریاں پہنچی تھیں۔ لیکن یہ بھی اُن کا مثالی کارنامہ ہے کہ پچھڑی ذات برادریوں نے جب یہ طے کیا کہ "مواقع و وسائل" میں اُن کی برابر کی حصہ داری ہوگی تب سوشل انجینئرنگ کے کمال نے برہمن زادوں کو اپنی ہزارہا سالہ "انا" کو پس پشت ڈال کر یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کردیا کہ وہ "بہن جی" کے آشیرواد کے دوپٹے میں پناہ لیں۔ اس زندہ و تابندہ مثال کو سر کی دونوں آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی کیا مسلم امۃ کو اپنی انقلابی حیثیت کا ادراک ہوسکے گا، اور کیا اس کی دوسری بڑی عظیم اکثریت ہونے کے احساس کی عملی بیداری ممکن بھی ہے اور کیا یہ زندہ احساس ان کو اس بات پر آمدہ کرسکے گا کہ وہ قدرت کی جانب سے عطا کیے جانے والے اس نادر موقع پر صحیح فیصلہ کرنے کی اجتماعی راہیں ہموار کرسکیں! ظاہر ہے عملی دنیا کے طور طریق میں یہ بات اسی وقت ممکن العمل ہے جب ان کی مؤثر قیادت مسلم سماج کی بنیادوں سے اُٹھائی و تعمیر کی گئی ہو اور حقیقی دردمندی کے زیر اثر یہ قیادت اپنا قومی وصف اس عظیم مقصد کو بنالے کہ مسلم قوم کو ذلت وپستی کے گہرے گڑھے سے نکال کر ہی دم لیں گے۔

یہ دنیا اور بالخصوص یہ امت جس لیڈر شپ کی منتظر ہے اُس کے پیش نظر دنیا کے مادی فوائد و منافع سے زیادہ آخرت کی فوز و فلاح اور کامرانی نیز آخرت کی خدائی پکڑ سے بچنے اور خالق حقیقی کو راضی کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور جو دنیا کمانا جانتے ہوں تب وہیں پر آخرت گنوانا بھی اُنھیں ہیبت زدہ کردیتا ہو۔ لازم ہے کہ اس لیڈر شپ کے پیش نظر فاتح مکہ و فاتح عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہو اور یہ حدیث بھی کہ اُمراء (حکمرانوں) کے لیے تباہیٔ عرفاء (لیڈروں و نمائندوں) کے لیے مصیبت، اُمناء (مالیات کی امانتوں سے متعلق) کے لیے خرابی ہے۔ تبھی تو قیامت کے دن یہ لوگ تمنا کریں گے کہ کاش حکومت و اقتدار پر قابض نہ ہوئے ہوتے (مشکوٰۃ۔ مسند احمد) اور یہ حکمرانی کرنے والے لوگ اس حدیث کی وارننگ سے بھی لرز جاتے ہوں جس میں حضورؐ نے فرمایا جو حکمراں حاجت مندوں، غریبوں و محتاجوں پر اپنے دروازے بند کرلے گا، اللہ تعالیٰ اُس کی ضروریات اور محتاجی پر آسمان کے دروازے بند کردے گا (ترمذی۔ عن عمرو بن مرہ) نیز یہ فرمان رسالت بھی ان لیڈروں، حکمرانوں اور عوامی نمائندوں کی نیند اُڑانے کے لیے کافی ہو جس میں سرور کونینؐ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندہ کو لوگوں پر حکمرانی کرنے والا بنائے اور وہ خیرخواہی سے اُن کی نگرانی (یعنی اُن کی ضروریات اور حاجات کی تکمیل) نہ کرے تو وہ بہشت کی خوشبو سے محروم ہوگا۔ (بخاری۔ معقل بن یسار)

اس لیے وہ سارے لوگ جن کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ قوم کے لیڈر ہیں! یا جو یہ خواہش رکھتے ہوں کہ اس نازک لیکن بڑے اجر والے عوامی خدمات کے میدان میں دنیا و آخرت بنائی جائے اُنھیں یہ جان لینا چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نظام سیاسیات میں اخلاق اور عہد کا پاس و لحاظ نہایت ضروری ہے کیونکہ قیامت کے دن ہر عہد کے متعلق باز پرس ہوگی اور جو شخص عہد و پیمان کو توڑ ڈالے گا اور اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا قیامت کے دن "عہد شکنی" کا ایک جھنڈا اس کے ساتھ ہوگا اور اس جھنڈے کو دیکھ کر ہر شخص یہ جان لیگا کہ دنیا میں یہ شخص عہد شکن تھا۔ جو جتنا بڑا دھوکے باز اور عہد شکن ہوگا اُتنا ہی بلند اس کی عہد شکنی کا جھنڈا ہوگا۔ نبیؐ نے فرمایا: لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُرْفَعُ لَهٗ بِقَدْرِهٖ (مسلم، عن ابی سعید) اس کے علاوہ حبیب دو جہاں نے فرمایا: تمہارے بہترین حکمراں وہ ہیں، جن سے تم محبت کرو اور تم سے وہ محبت کریں، تم اُن کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں۔ اور تمہارے بدترین حکمراں وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ تم اُن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ (مسلم، عن عوف بن مالک) ●●

عفو و درگزر

محمد سیف اللہ، کوٹہ (راجستھان)

عفو کا لغوی معنی ہے مٹا دینا، محو کردینا، اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے کی زیادتی پر درگزر کیا جائے۔ اس کے برے سلوک کے جواب میں بُرا سلوک اختیار نہ کیا جائے اور دل سے اس کی زیادتی کے خیال کو نکال دیا جائے گویا کہ اس نے زیادتی کی ہی نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"پس تم معاف کرو اور درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ نافذ کردے۔" (سورۃ البقرۃ: ۱۰۹)

"دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لئے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کردیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔" (سورہ آل عمران ۱۳۳، ۱۳۴)

اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اُسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے، لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔" (سورۃ النحل ۱۲۶)

"برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔" (سورۃ الشوریٰ: ۴۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکلیف دہ بات سننے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ماہر کوئی نہیں۔ لوگ (یہاں تک گستاخیاں کرتے ہیں کہ) کہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے لئے اولاد قرار دیتے ہیں اور وہ اس کے باوجود انہیں رزق دیتا ہے، انہیں تندرستی عطا کرتا ہے اور انہیں (دوسری نعمتیں بھی عطا فرماتا ہے۔ (مسلم) حضرت سعید بن میسب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا کہا اور انہیں اذیت دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اُس نے دوسری دفعہ انہیں اذیت دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ انہیں اذیت دی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سے بدلہ لیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے خدا کے رسول! کیا آپ مجھ سے ناراض ہوگئے۔" آپ نے فرمایا (بات یہ ہے کہ) آسمان سے ایک فرشتہ اُترا تھا اور جو کچھ یہ شخص تمہیں کہہ رہا تھا، وہ اُسے جھٹلا رہا تھا، پھر جب تم نے بدلہ لیا تو شیطان آپڑا، پھر جب شیطان آجائے تو میں بیٹھنے والا نہیں ہوں۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی گھونٹ کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس اس اجر سے زیادہ نہیں جو غصے کے اس گھونٹ کے لئے ملتا ہے، جسے بندہ اللہ کی خوشنودی کے لئے پی جاتا ہے۔ (ابن ماجہ) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے بدن کو کوئی صدمہ پہنچے، پھر وہ (صدمہ پہنچانے والے کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث اس کا ایک درجہ بلند کرے گا یا ایک گناہ معاف فرمائے گا۔ (حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) اس بات کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اسے یاد رکھا۔

(ابن ماجہ)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم برتاؤ کرنے والا اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ (کچھ) عطا کرتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا اور نہ نرمی کے علاوہ کسی اور چیز پر عطا کرتا ہے۔ (مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: جب اپنے دشمن پر قابو پاؤ تو اُسے معاف کر کے نعمت کا شکر ادا کرو۔ عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے: درگزر اور رفع شر کی عادت اختیار کرو۔ بات سے بات نکلتی ہے اگر کوئی تجھے ایک بات کہے گا اور تو اس کا جواب دے گا، تو بات بڑھ جائے گی اور تم دونوں میں جھگڑا ہوجائے گا۔

قرآن وحدیث میں عفو و درگزر کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ عفو سے کام لے کر ہم اَن گنت پریشانیوں، اُلجھنوں اور غم وتکالیف سے بچ جاتے ہیں۔ ●●

خطوط و مسائل

دعوت الی اللہ - طریقہ کار - نتائج

دعوت دین ہر مسلمان کا منصبی فریضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مقصد سب سے عظیم سنت۔ دنیا کی بھلائی، آخرت کی کامیابی، جنت کا حصول، جہنم سے نجات، اللہ کی رضا اگر کسی کام سے حاصل ہوسکتی ہے تو وہ دعوت الی اللہ ہے۔ قرآن کا ورق ورق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس کی گواہ ہے۔ طریقہ کار میں اختلاف ہوسکتا ہے اور ہے بھی جماعت اسلامی کا اپنا ایک طریقہ کار ہے۔ تبلیغی جماعت کا اپنا ایک انداز ہے۔ جمعیۃ العلماء اہل حدیث اور سنی حضرات بھی کسی نہ کسی صورت میں دعوت دین کا کام انجام دے رہے ہیں۔ لیکن آزادی کے بعد کے ۶۰ سال کی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ آزادی کے ۶۰ سال گزر جانے کے باوجود ہم اپنے وطنی بھائیوں کو دین رحمت سے واقف نہیں کرا سکے اور نہ ہم اپنے کردار سے انہیں یہ باور کرا سکے کہ اسلام ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی اکثریت اسلام کو دہشت گردوں کا دین اور مسلمانوں کو آتنک وادی سمجھ رہی ہے۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ اسی دین کی بدولت عرب کی سرزمین پر جہاں ظلم و بربریت، جہالت ولاقانونیت کا دور دورہ تھا، ۲۳ سال کی قلیل مدت میں امن وانصاف، رحمت وشفقت ایثار وقربانی، ہمدردی اور جاں نثاری کا وہ بے مثال معاشرہ قائم ہوا جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہمارے پاس خدا کے فضل وکرم سے وہی کتاب ہدایت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا نمونہ، صحابہ کرامؓ کے مثالی کارنامے موجود ہیں جن سے اس دور کے لوگوں نے دین حق کو صرف سرزمین عرب میں ہی نہیں، دنیا کے بڑے حصے پر پہنچا ہی نہیں دیا بلکہ اس دین رحمت کی برکتوں کے نمونے پیش کر کے دکھا دیئے۔ پھر کیا وجہ ہے؟ کمی کہاں ہے؟ کوتاہی کہاں ہو رہی ہے اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز اپنی ذات سے اپنے اہل خانہ قبیلے بستی سے کیا۔ ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ مصائب ومظالم برداشت کئے۔ اسلام کے لئے ہر چیز کو قربان کیا۔ اپنے وطن کو خیرباد کہا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھال لیا۔ مکہ معظمہ میں آپؐ کی اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی جدوجہد اور قربانیوں سے اگرچہ بہت قلیل تعداد نے اسلام قبول کیا لیکن اسلام کو وہ بنیاد فراہم کی جس پر اسلام کی تاقیامت قائم رہنے والی عمارت تعمیر ہوئی۔ مکہ معظمہ سے اسلام کی دعوت جب مدینہ پہنچی اور اسلام کو افرادی قوت حاصل ہوئی اور اسلام کے نظام عدل وانصاف معاشرت، سیاست کا عملی نمونہ سامنے آیا تو لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اور "فی دین اللہ افواجاً" کا منظر لوگوں نے دیکھا۔ اس طرح گیارہ سالہ مکی زندگی اور دو سالہ مدنی زندگی میں اسلام دنیا کے بڑے علاقے پر چھا گیا۔ اسی طرح آج بھی اگر ہم ان کی زندگیوں کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لیں اسی طریقہ کار کو اپنا ئیں ان ہی خطوط پر جدوجہد کریں تو انشاء اللہ یہ دین اس ملک میں ہی نہیں پوری دنیا میں غالب ہوسکتا ہے۔ اسلام اس ملک میں اور پوری دنیا میں مظلومیت کی حالت میں ہے۔ لوگ اس پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں۔ مسلمانوں کا وزن دریا میں بہتے ہوئے تنکوں کی طرح ہے حالانکہ ان کی تعداد کم نہیں ہے۔ جلسوں جلوسوں، جماعتوں پارٹیوں کی بھی کمی نہیں، منصوبوں اور محنتوں چلت پھرت رسائل وسائل دعاؤں مناجاتوں کی کمی نہیں پھر بھی ذلیل وخوار ہیں۔ کیا وجہ ہے، کیا کمی ہے۔ کہاں نقص ہے کیا ہم اس پر غور کرنے اور اپنی موجودہ روش کو بدلنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو پھر اس سے بھی زیادہ بدتر حالات کے لئے تیار ہیں کیونکہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ڈاکٹر عبدالجبار ڈانگ، پیلی بھیت، یوپی

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

جمہوریہ ہند کا ہر انتخاب عام مسلمانوں کے لئے ایک لمحہ فکر وتردد لے کر آتا ہے کہ نامعلوم الیکشن کے نتیجے میں آنے والی نئی حکومت کس رنگ اور ڈھنگ کی ہوگی۔ لیکن انتخاب مسلم اقلیت کو ایک اچھا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ جب مسلم اقلیت تدبر اور فراست سے کام لے کر اکثریت ملک کے سیکولر اور وسیع الذہن حلقے کے ساتھ شریک ہو کر ایسی حکومت کی تشکیل میں موثر کردار ادا کرسکتی ہے جو اس کے حقوق کی نگہبانی کرسکے۔ مسلمانوں کی رائے انتخابی نتائج پر خاطر خواہ اثرات تباہی مرتب کرسکتی ہے جب اُن کے ووٹ بینک غالب اکثریت متفق اور متحد ہو کر اپنی چنیدہ جماعت یا افراد کے حق میں اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرے۔ مسلم عوام اپنی رائے کو متفقہ اور متحدہ طور پر استعمال کرنے کے لئے اپنی مخلص سیاسی قیادت کی جانب سے متفقہ رہنمائی کے منتظر ہیں۔ سیاسی قیادت کی متفقہ اور واضح رہنمائی کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کا ووٹ بینک مفاد پرست لیڈروں سے متاثر ہو کر منتقل ہوجائے گا۔ نئی حکومت کی تشکیل میں مسلم ووٹ کا رول ختم ہوجائے گا۔ مسلم اقلیت کی سیاسی اہمیت بے وزن ہوجائے گی آئندہ انتخابات میں سیاسی جماعتیں مسلم ووٹ کو نظر انداز کریں گی۔ آل انڈیا ملی کونسل کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر منظور عالم صاحب نے مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کے قیام میں ناکامی کے سبب موجودہ حالات میں مصافیاتی (Jactical) حکمت عملی کے تحت رائے دہی کا مشورہ دیا ہے۔ یہ حکمت عملی ایسے حلقہ کے لئے تو موزوں ہے جو سیاسی شطرنج کی بدلتی ہوئی بساط کا صحیح ادراک کرسکتا ہو۔ لیکن اس حلقہ کا تناسب بہت کم ہے۔ مسلم عوام کے لئے جو ہمارے ووٹ بینک کا غالب جزو ہیں، بہتر اُمیدوار کا بہتر امکانات کی بنیاد پر تعین کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ نتیجتاً ذاتی مفاد کے سیاسی کھلاڑی عوام کو اعداد وشمار کی شعبدہ بازی اور پرفریب دعووں سے مسحور کر کے اپنے اپنے جالوں میں پھنسا لیں گے۔ مسلم ووٹ بینک منقسم ہو کر بے اثر ہوجائے گا۔ ڈاکٹر صاحب محترم سے درخواست ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کے قیام کی جانب تنہا ہی قدم بڑھائیں۔ آغاز میں مایوسی کے جھٹکوں کے بعد انشاء اللہ کارواں بنتا چلا جائے گا۔ ووٹ کی ضرورت ہے کہ ہمارے سیاسی قائدین گرچہ اُن کی تعداد کثیر نہ ہو یکے مشترک فیصلے کی پہل کریں۔ ہر صوبہ کے منظرنامہ کا جائزہ لے کر اور زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ بہتر جماعت اور بہتر امیدواروں کی واضح نشاندہی سے عوام کی رہنمائی کریں۔

عبدالمعید خاں سی، ۱، گل مہر ایونیو، نکونہ پارک، اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

مسلم دنیا میں امریکہ کے خلاف نفرت بڑھنے کا سبب

امریکی پروفیسر ہوان کول کا کہنا ہے کہ پچھلے چند برسوں میں مسلم دنیا کے عوام میں امریکہ کے لئے نفرت بڑھ گئی ہے اور اس کی بنیادی وجہ عراق کی تباہ کاری ہے۔ واشنگٹن میں کی جانے والی ایک تقریر میں انہوں نے کہا کہ امریکہ کے لئے منفی رجحانات نے پچھلے چند برسوں میں شدت اختیار کرلی ہے اور یہ بات بش انتظامیہ کے نوٹس میں آئی، جو درحقیقت امریکہ کے خلاف منفی جذبات بھڑکانے کی ذمے دار ہے۔

اُن کا کہنا تھا کہ بش پالیسی ترتیب دینے والے کارل روو نے ابوغریب میں اذیت رسانی کے انکشاف کے بعد کہا تھا کہ امریکہ کو اپنا چہرہ درست کرنے کے لئے پچیس برس درکار ہوں گے۔

مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ سے اپنے خطاب میں پروفیسر کول نے اپنے حالیہ دورۂ اُردن کا ذکر کیا ہے جس میں اُنہوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ عراقی بغداد واپس کیوں نہیں جاتے۔ اُن کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ بغداد میں نسل کشی ہوچکی ہے اور اب وہاں زیادہ تر شیعہ آبادی پائی جاتی ہے۔

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● نئی دہلی- الٰہ آباد ہائی کورٹ نے ورون گاندھی کی وہ عرضی مسترد کر دی جس میں اس کے خلاف درج معاملہ کو خارج کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ اس کے باوجود بی جے پی کے صدر راج ناتھ سنگھ نے کہا ہے کہ ورون گاندھی بے قصور ہیں اور اس سی ڈی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے جس میں انہیں ایک فرقہ کے خلاف اشتعال انگیز تقریر کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ مجھے ورون پر اعتماد ہے الیکشن کمشنر پر نہیں ہے۔

● لکھنؤ- سماج وادی پارٹی، راشٹریہ جنتادل اور لوک جن شکتی پارٹی نے ایک نیا سیاسی اتحاد بنا دیا ہے جس کے تحت سماج وادی پارٹی بہار میں راشٹریہ جنتادل لوک جن شکتی پارٹی کے امیدواروں کے خلاف اپنا امیدوار کھڑا نہیں کرے گی۔ اس کے بدلے میں یہ دونوں پارٹیاں اُتر پردیش میں امیدوار کھڑا نہیں کریں گی اور تینوں پارٹیاں مشترکہ طور پر انتخابی مہم چلائیں گی۔

● ممبئی - ممبئی کی مکوکا خصوصی عدالت نے مالیگاؤں بم دھماکے کی ملزمہ پرگیا سنگھ ٹھاکر کو دوبارہ اسپتال میں داخل کرنے کا حکم دیا ہے جب کہ دوسرے ملزمان دیانندے اور رومیش اپادھیائے کو پارلیمانی الیکشن لڑنے کی اجازت دے دی۔

● دھنباد- اُتر پردیش کی وزیر اعلیٰ مایاوتی نے یہاں ایک انتخابی ریلی میں کہا کہ کانگریس اور بی جے پی کی غلط پالیسیوں کے سبب ہی آزادی کے ۶۱ برس بعد بھی پسماندہ طبقات، سکھ، عیسائی، مسلم اور دیگر طبقات کی سماجی واقتصادی صورتحال میں تبدیلی نہیں آئی۔

● سپا- (اروناچل پردیش) بی جے پی کے لیڈر ایل کے آڈوانی نے ایک بار پھر وزیر اعظم منموہن سنگھ کو اب تک ملک کا سب سے کمزور وزیر اعظم بتاتے ہوئے کہا کہ وہ امریکہ کی طرح ٹی وی پر منموہن سنگھ کے ساتھ مختلف موضوعات پر بحث کے لئے تیار ہیں۔

● نئی دہلی- کانگریس کے ترجمان کپل سبل نے کہا کہ جب ندی بہتی ہے تو الگ الگ سمت میں کئی دھارائیں چلتی ہیں لیکن وہ پھر سے ندی میں شامل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح تمام پارٹیاں اپنی اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ قومی پارٹیاں نہیں چاہتیں کہ قومی سطح پر کوئی علاقائی پارٹی اپنی جگہ بنائے اس لئے سماج وادی پارٹی، راشٹریہ جنتا دل اور لوک جن شکتی پارٹی وہی کر رہی ہے جو انہیں کرنا چاہئے۔ این ڈی اے اور تیسرے مورچہ کا بھی نہ تو کوئی ایجنڈا ہے اور نہ ملک کے لئے کوئی پالیسی۔

● چنئی -تملناڈو میں پی ایم کے نے یو پی اے سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اے آئی اے ڈی ایم کے ساتھ انتخابی اتحاد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

● بھوپال- مدھیہ پردیش اسٹیٹ حج کمیٹی کے چیئرمین سلیم قریشی نے کہا ہے کہ ایسے افراد جو کسی خاتون کے ساتھ محرم کے طور پر حج پر جانا چاہتے ہیں وہ بھی سفر حج کے لئے درخواست دے سکتے ہیں خواہ وہ دوبارہ حج پر جا رہے ہوں۔

● نئی دہلی- ۱۴؍مارچ کو ختم ہوئے ہفتے کے دوران تھوک قیمت انڈکس پر مبنی افراط زر کی شرح ۰٫۱۷ فیصد کم ہو کر ۰٫۲۷ فیصد ہو گئی جب کہ خوردنی اشیاء مہنگی ہو رہی ہیں۔ جس طرح افراط زر کی شرح میں حد سے زیادہ اضافہ ملکی معیشت کے لئے خطرناک ہے اسی طرح اس میں حد سے زیادہ کمی بھی خطرناک ہے

● ممبئی- شیوسینا کے سربراہ بال ٹھاکرے نے ورون گاندھی کے بارے میں کہا ہے کہ اس نوجوان لیڈر نے کچھ بھی غلط نہیں کہا ہے، اس لئے اسے کسی سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی پارٹی ایسے گاندھی کا خیر مقدم کرتی ہے۔ کیونکہ اس بندوق میں ہندتو کی شکتی بھری ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا گاندھی ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں۔ ورون گاندھی نے بھی اس حمایت کے لئے ٹھاکرے کا شکریہ ادا کیا ہے۔

● نئی دہلی- اسرائیل کے ساتھ خفیہ دفاعی معاہدے کے تحت ہندوستان نے دس ہزار کروڑ روپے کی لاگت کے درمیانی رینج کی سطح سے ہوا میں مار کرنے والی میزائلوں کے ایک سودے پر معاہدے کئے ہیں۔

● نئی دہلی- سپریم کورٹ نے میگھالیہ میں صدر راج کے نفاذ کی سفارش کے خلاف ایک پٹیشن پر مرکز اور دیگر متعلقہ فریقوں کو نوٹس جاری کیا ہے۔

بین الاقوامی

● واشنگٹن- امریکی اور پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے افسران پاک- افغان سرحد پر ایسے مقامات کی نئی فہرست تیار کر رہے ہیں۔

● کراچی- جاپان کی وزارت مالیات کے جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق سال ۲۰۰۸ء کے دوران پاکستان کی جانب سے جاپان میں ۴۲ کروڑ ۹۰ لاکھ ڈالر مصنوعات برآمد کی گئیں جو سال ۲۰۰۷ء کے مقابلہ میں ۲۷ فیصد زیادہ ہیں۔

● لندن- برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے کہا ہے کہ معاشی بحران سیاسی عدم استحکام کی چنگاری بنتا جا رہا ہے جس سے حکومت کے لئے سخت خطرات پیدا ہو رہے ہیں۔

● اسلام آباد- پاکستان میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کی کوششوں کے سلسلہ میں اساتذہ کی تعلیم وتربیت کے لئے امریکی مدد سے ساڑھے سات کروڑ ڈالر کی لاگت سے ایک نیا منصوبہ شروع کیا گیا ہے۔

● واشنگٹن- امریکہ نے مبینہ طالبان لیڈر بیت اللہ محسود اور سراج الدین حقانی کے بارے میں جانکاری دینے پر ۵۰ لاکھ ڈالر اور ابو یحیٰی کے لئے دس لاکھ ڈالر انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔

● صنعاء- یمن کی ایک عدالت نے ایک شہری بسام الحیدری کو اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ کے ساتھ روابط رکھنے اور صہیونی ریاست کے لئے جاسوسی کے جرم میں موت کی سزا سنائی ہے۔

● دبئی- ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا کے ۵۹ ملکوں میں سزائے موت برقرار ہے اور ۲۰۰۸ء میں صرف ۲۵ ملکوں میں سزائے موت دی گئی۔

● بینکاک- عالمی معاشی بحران سے متاثر تھائی لینڈ میں حکومت نے کم آمدنی والے لاکھوں افراد کو امدادی رقم فراہم کرنا شروع کیا ہے۔

● ماسکو- روس کی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں ڈوما کی بین الاقوامی معاملوں کی کمیٹی نے کہا ہے کہ روس ایران کے جوہری پروگرام کے معاملے میں اقوام متحدہ کے نگراں ادارہ بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی کے ساتھ ہے۔

● واشنگٹن- امریکہ- صدر بارک حسین اوبامہ نے کہا ہے کہ ان کی حکومت کی طرف سے اقتصادی بحالی کے لئے کئے جانے والے اقدامات بارآور ثابت ہوں گے تاہم اس میں وقت لگے گا اور صبر کی ضرورت ہے۔

● لندن- افغانستان کے لئے برطانیہ کے نئے سفیر مارک سیڈول نے ایک ریڈیو میں کہا ہے کہ افغانستان میں برطانوی فوجی اگلے پانچ سال تک رہیں گے جب کہ سویلین اہلکار اگلے بیس سال تک وہاں موجود رہیں گے۔

● ماسکو- روس کے صدر دمتری میدویدیف اور وزیر اعظم ولادیمیر پوتن انسداد بدعنوانی مہم کے تحت اپنی آمدنی اور جائداد کا اعلان کریں گے۔ ان کے علاوہ وزارتی کونسل کے تمام ارکان اور حکومت کے اعلیٰ افسران بھی یکم اپریل سے پہلے اپنی آمدنی اور جائداد کا اعلان کریں گے۔

● واشنگٹن- وزیر اعظم منموہن سنگھ کے خصوصی ایلچی شیام سرن نے واشنگٹن کے برکنگ انسٹی ٹیوشن میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کو جوہری ممالک اور غیر جوہری ممالک کے درمیان دائمی تقسیم قطعاً قبول نہیں اس لئے اس نے جوہری عدم توسیع معاہدے (سی ٹی بی ٹی) پر دستخط نہیں کئے ہیں۔

● واشنگٹن- امریکی صدر بارک حسین اوبامہ نے کہا ہے کہ وہ امریکہ- ایران تعلقات میں اچانک کوئی تبدیلی نہیں چاہتے لیکن انہوں نے دیرینہ حریفوں کے درمیان تنازعات ختم کرنے کی سمت پیش رفت کی پیشین گوئی ضروری ہے۔

● ماسکو- روس نے مشرقی یورپی سمندری حدود میں امریکی جنگی بحری جہازوں کی نقل وحمل میں اضافہ کے بعد بحیرۂ اسود میں مستقل بنیادوں پر دس میزائل بردار آبدوز تعینات کرنے کا اعلان کیا۔

● ماسکو- روس کے نائب وزیر اعظم سرگئی ایوانوف نے کہا ہے کہ افغانستان میں امن قائم کرنے سے پہلے پاکستان میں استحکام دلانا ضروری ہے۔

● رام اللہ- فلسطینی مزاحمتی تحریک حماس اور الفتح کے درمیان مصالحتی مذاکرات یکم اپریل سے دوبارہ شروع ہوں گے۔ یہ جانکاری پی ایل او کے ایک اہلکار نے دی۔

انتخابی ہنگاموں کا ایک جائزہ

ڈاکٹر نصر فردوسی (جمشید پور)

ہندوستان آزاد ہوا اور بانٹا بھی گیا۔ ساٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن آزادی کے بعد کے دن کسی کے لئے بھی گویا خوشگوار قرار نہیں دیے جاسکتے۔ البتہ آزادی کا جشن منانے والے صحیح معنی میں ملک کے وہ باشندے ہیں جو یقیناً ہندوا حیا پرستی کے علمبردار ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آزادی کے بعد کانگریس میں شامل ہو کر مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے کی سازش میں سب سے اہم رول ادا کیا اور ساٹھ سال بعد جسٹس سچر کمیٹی رپورٹ نے ہندوستانی مسلمانوں کو آئینہ دکھا دیا کہ اب تمہاری اوقات کیا رہ گئی ہے۔ ملک کے تمام پسماندہ طبقات سے بھی زیادہ پسماندہ آج ہندوستان کا مسلمان ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے صدر مولانا سید ارشد مدنی مسلمانوں کی کانفرنسوں اور جلسوں میں تقریریں کر رہے ہیں کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں اور مسلم علماء کی خدمات سب سے زیادہ رہی ہیں۔ ان کی قربانیاں بے مثال ہیں اور جمعیۃ العلماء نے ہی آزادی کی تحریک شروع کی تھی اور پھر کانگریس کے ہاتھوں جنگ آزادی سونپی گئی جس میں ملک کے تمام لوگوں نے حصہ لیا۔ لیکن فرقہ پرست طاقتوں نے ملک کو بانٹا اور یہاں کے باشندوں کے دلوں میں نفرت کی دیوار کھڑی کر دی۔ مولانا سید ارشد مدنی جنگ آزادی کی تاریخ یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہندوستان ایک سیکولر، جمہوری ملک قرار دیا گیا صرف جمعیۃ العلماء کی کاوشوں سے، ورنہ اس کا ہندو راشٹر بنتا طے تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس ملک کو سیکولر کردار دینے کے لئے نمایاں رول ادا کیا تھا۔ فرقہ پرست چاہے وہ ہندو مہاسبھا ہو یا آر ایس ایس یا پھر جن سنگھ، انہوں نے ہمیشہ اپنی مہم جاری رکھی تاکہ ملک ہندو راشٹر بن جائے اور یہاں مسلمانوں کا وجود ملیچھ کی حیثیت سے باقی رہے۔ آج یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ملک کے اندر فسطائی قوت زور آور بن چکی ہے اور مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے والی طاقت یہی فسطائیت ہے جس میں ملک کی اکثریتی آبادی سرگرم ہے۔ سیکولر ہونے کا دعویٰ کرنے والی سیاسی پارٹیاں بھی یہ بات ظاہر کر چکی ہیں کہ وہ مسلمانوں کی مخلص اور ہمدرد نہیں ہیں۔ وہ مسلمانوں کو پھسلا کر انتخابات کے زمانے میں اُن کے ووٹ حاصل کر کے اقتدار میں آنا چاہتی ہیں اور بس۔ جمعیۃ العلماء کے صدر مولانا ارشد مدنی کا کہنا ہے کہ کانگریس نے بھی مسلمانوں کو فریب میں رکھا۔ مسلمانوں کا قتل عام ہوتا رہا۔ فسادات گہری سازش کے نتیجے میں برپا کئے جاتے رہے۔ اور حالیہ رویہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دہشت گرد اور مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی کے ٹھکانے قرار دیا جا رہا ہے۔ علماء کرام کو عوامی جلسوں میں صفائی پیش کرنی پڑ رہی ہے کہ اسلام دہشت گردی نہیں سکھاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ دہشت گردوں کا اصل چہرہ سامنے لانے والے کو بھی مار ڈالا جاتا۔ اس لئے کہ فسطائی قوت کی اب زبردست کرکری ہونے لگی ہے۔

مختصراً اسی پس منظر میں لوک سبھا کے انتخابات ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو قتل کرنے والے لوگ اور سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کے آنسو پوچھنے اور ہمدردی جتانے کے لئے قریب آرہی ہیں۔ گھنی، گندی، گلیوں میں جہاں مسلم آبادی سانس لیتی ہے اور سسکیاں بھرتی ہے وہاں چولے بدل بدل کر اقتدار کے بھوکے دورہ کرتے ہوئے آنے لگے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بقر عید کے تہوار سے قبل کے دنوں میں مویشی مارکیٹ میں بقر عید کے جانور پسند کرنے والوں کی بھیڑ لگتی ہے اور بہت پیار سے بیش قیمت ادا کر کے مویشیوں کو باندھ کر لے جاتے ہیں اور ان بکروں کی خاطر تواضع میں گھروں کے بچے بھی لگ جاتے ہیں۔ کچھ اسی قسم کا نقشہ آج ہندوستان کی مسلم آبادی میں دکھائی دے رہا ہے۔ بڑے جانور خریدنے والے حصے داروں کی تلاش میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ کل حصے میں شامل ہونے والے افراد اپنی بہتر حیثیت کے نتیجے میں بڑا قیمتی بکرا قربانی کے لئے اعلان کر رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سیاسی پارٹیاں جو کل ہندوستان کی سیاست میں مخلوط حکومت بنانے میں شامل تھیں آج آزادانہ طور پر مسلم ووٹ بینک کے بل بوتے پر اقتدار میں آنے کے دعوے کر رہی ہیں۔

پانچ سال پہلے فسطائی قوتوں کا بھی کچھ ایسا ہی رویہ تھا۔ ان دنوں کے وزیر اعظم ہندائل بہاری باجپئی ۲۰ لاکھ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت دینے کا اعلان کر رہے تھے۔ آج لال کرشن آڈوانی من موہنے والی باتیں کرتے پھر رہے ہیں۔ ذرا غور کیجئے ملک کے سیاسی اور سماجی حالات صاف نظر آنے لگیں گے۔

آنسو بہاتے جا رہے ہیں اور بیانات ہندوستان کی سیاست میں اقلیتوں کے ساتھ ظلم ہوا ہے اور وہ بھی بحیثیت ایک سکھ اقلیت میں ہیں اور انہیں مسلمانوں کے درد کا شدید احساس ہے۔ وہ یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ووٹ سے وہ اقتدار میں باقی رہیں گے۔ ●●

امریکہ کی ایران پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں

تہران- رہبر انقلاب اسلامی جناب آیت اللہ خامنہ ای نے کہا ہے کہ ایران کے سلسلے میں امریکی حکومت کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ انہوں نے مشہد میں حضرت امام رضاؑ کے حرم مطہر کے صحن میں زائرین کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب میں کہا کہ امریکی حکام صرف زبانی طور پر تبدیلی کی باتیں کرتے ہیں اور ایران کے سلسلے میں ان کی پالیسی میں کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی صدر نوروز کی مناسبت سے ایران کی قوم کے نام اپنے پیغام میں ایک طرف تعلقات کی باتیں کرتے ہیں اور اسی پیغام میں ایران کی اہانت کرتے ہوئے اس پر دہشت گردی کی حمایت اور ایٹمی ہتھیار بنانے کی کوشش کا الزام لگاتے ہیں۔

انہوں نے گزشتہ تیس برسوں سے ایران کے خلاف امریکہ کی مخاصمانہ پالیسیوں اور اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تیس سال قبل ایران کے عوام نے اپنے ملک سے امریکی تسلط کا خاتمہ کر دیا اسی وقت سے امریکہ ایرانی عوام کا دشمن ہے۔ اگر امریکی حکام ایران کے سلسلے میں پالیسی میں تبدیلی کی باتیں کرتے ہیں تو انہیں صحیح معنوں میں اس کو ثابت کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ نئے امریکی صدر نے تبدیلی کا نعرہ دیا مگر وہائٹ ہاؤس میں قدم رکھتے ہی انہوں نے ایران کے خلاف مخاصمانہ بیانات دیئے اور غاصب صہیونی حکومت کی سیکورٹی کی ضمانت دی۔ آیت اللہ خامنہ ای نے کہا کہ اگر امریکی حکومت کی پالیسی میں تبدیلی نہیں آئے گی تو امریکہ کے سلسلے میں ایران کے عوام اور حکومت کی بھی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور ایران کے عوام بدستور استقامت و پامردی کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ایران کے عوام کا نظریہ جو تیس سال قبل امریکہ کے بارے میں تھا وہی آئندہ بھی رہے گا۔

رہبر انقلاب اسلامی نے کہا کہ ایران کے عوام اہل منطق ہیں اور وہ کوئی بھی فیصلہ جذباتی انداز میں نہیں کرتے۔ انہوں نے ایرانی عوام کی شان میں امریکہ کی گستاخانہ حرکتوں اور اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایران کے عوام کبھی بھی امریکی دھمکیوں اور ان کے اقدامات سے مرعوب نہیں ہوئے نہ ہوں گے۔ رہبر انقلاب اسلامی نے عالمی سطح پر امریکہ کے خلاف نفرتوں کے جذبات میں شدت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج پوری دنیا میں لوگ امریکہ سے نفرت کرتے ہیں اور اگر آج امریکی حکام تبدیلی کی باتیں کرتے ہیں تو یہ ان کی مجبوری ہے اور امریکی حکام اپنی پالیسیوں میں تبدیلی لانے پر مجبور ہیں۔ انہوں نے ایرانی عوام کے خلاف امریکہ کی دشمنیوں اور مخاصمانہ اقدامات منجملہ خلیج فارس میں مسافر بردار طیارہ مار گرائے جانے، عراق کی بعثی حکومت کی طرف سے ایران پر مسلط کی گئی جنگ کے دوران صدام کی ہمہ جانبہ حمایت، حلبچہ میں ہزاروں عام شہریوں کے قتل عام پر مبنی صدام کی بعثی حکومت کے مجرمانہ اقدامات کے لئے امریکہ کی حمایت، امریکی بینکوں میں ایران کے اثاثوں کو منجمد کر دیے جانے اور اس طرح صہیونی حکومت کے لئے واشنگٹن کی کھلم کھلا پشت پناہی جیسے امریکی اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایران کے عوام امریکہ کے ان تمام مظالم کو فراموش نہیں کر سکے ہیں۔ اسی طرح غزہ پر صہیونی حکومت کے وحشیانہ حملوں کو ریاستی دہشت گردی قرار دیتے ہوئے انہوں نے ان حملوں پر صہیونی حکومت کی پیٹھ تھپتھپانے پر امریکی حکومت کے اقدامات کی مذمت کی۔

عالمی تجارت میں نو فیصد کی کمی

نیویارک- ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کی پیشین گوئی کے مطابق دو ہزار نو میں عالمی تجارت میں نو فیصد کمی واقع ہوگی۔

عالمی ادارہ تجارت کے مطابق اس تنزلی میں ترقی یافتہ ممالک سب سے زیادہ متاثر ہوں گے جہاں پر تجارت میں دس فیصد کمی واقع ہوگی جب کہ غریب ممالک میں برآمدات میں دو سے تین فیصد کمی واقع ہوگی۔

عالمی ادارہ تجارت کے اعداد وشمار کے مطابق ۲۰۰۷ء میں اقتصادی بحران کے آغاز کے باوجود عالمی تجارت میں چھ فیصد اضافہ ہوا تھا جب کہ ۲۰۰۸ء میں عالمی تجارت دو فیصد بڑھی تھی تاہم اس برس تجارت میں نو فیصد کی کمی کا امکان ہے۔

عالمی ادارہ تجارت نے عالمی معاشی تنزلی کو اس کمی کی وجہ قرار دیا ہے لیکن کہا ہے کہ تجارت کو معاشی حالات بہتر کرنے میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ عالمی ادارہ تجارت کے ڈائریکٹر جنرل پاسکل لیمی کا کہنا ہے کہ تجارت میں اتنی زیادہ کمی دوسری جنگ عظیم کے بعد پہلی بار ہوئی ہے۔

لندن میں آئندہ ماہ جی ٹوئنٹی گروپ کے اجلاس میں بھی عالمی تجارت کا معاملہ سرفہرست ہوگا۔

دعوت

کا اگلا شمارہ (۴؍اپریل ۲۰۰۹ء)

خصوصی اشاعت

جماعت اسلامی ہند کے ۶۰ سال

(اکابر جماعت کی نظر میں)

پر مشتمل ہوگا، جس میں جماعت اسلامی ہند کے قیام، اس کے پس منظر، نصب العین، حالات اور مسائل، ساٹھ سالہ سفر کے اُتار چڑھاؤ، مشکلات اور آزمائش، تجربات و مشاہدات، خدمات، اہداف، ترجیحات اور پیش رفت کا جائزہ جماعت کی یگانہ روزگار شخصیات کی تحریروں کی روشنی میں لیا جائے گا۔

صفحات: 250 | قیمت: Rs. 50/-

بنگلہ دیش کا اڑتیسواں یوم آزادی

ڈھاکہ- بنگلہ دیش کا یوم آزادی ۲۶؍مارچ کو روایتی جوش وخروش کی بجائے نہایت سادگی سے منایا گیا۔ اس موقع پر پہلی بار فوجی پریڈ کا انعقاد بھی نہیں کیا گیا۔ ٹھیک ایک ماہ قبل ڈھاکہ میں بنگلہ دیش رائفلز (بی ڈی آر) ہیڈکوارٹر میں جوانوں نے بغاوت کی تھی اور ۲۵ اور ۲۶ فروری کو دونوں تک جاری رہنے والی خوں ریزی میں تقریباً ۷۲ لوگ ہلاک ہوئے تھے جن میں سے ۵۵ فوج کے اعلیٰ افسر تھے۔ اس سانحے سے ملک ابھی تک نہیں نکل پایا اور اس کی پرچھائیاں یوم آزادی کی تقریبات پر بھی پڑیں۔

بنگلہ دیش حکومت نے اعلان کیا تھا کہ پچھلے ماہ کے سانحے کی وجہ سے فوجی پریڈ منسوخ کر دی گئی ہیں۔ سنہ ۱۹۷۱ء میں آج ہی کے دن شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کیا تھا۔ اڑتیسویں یوم آزادی کے موقع پر پورے ملک میں اور خصوصاً ڈھاکہ میں سکیورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ ایڈیشنل ڈپٹی پولیس کمشنر محمد ولید حسین نے کہا ڈھاکہ میں دو ہزار اضافی پولیس اہل کاروں کو تعینات کیا گیا۔ اس کے علاوہ ریپڈ ایکشن بٹالین کے ۱۵۰۰ کو جوان بھی شہر کی حفاظت کے لیے مامور کیے گئے۔

صدر ضل الرحمٰن وزیر اعظم شیخ حسینہ واجد اور اپوزیشن لیڈر خالدہ ضیاء نے صبح ساور کے مقام پر واقع قومی یادگار پر پھول چڑھا کر شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔ شیخ حسینہ نے عوام سے آزادی مخالف، فرقہ پرست اور رجعت پسند عناصر سے ہوشیار رہنے کی اپیل کی۔ ●●

پارلیمانی انتخابات میں سیاسی پارٹیوں کی کارکردگی

پارلیمانی انتخابات	محصولہ نشستیں	ووٹوں کا تناسب
کانگریس		
۱۹۸۴	۴۰۴	۴۹٫۱
۱۹۹۱	۲۴۴	۳۶٫۵۵
۱۹۹۶	۱۴۰	۲۸٫۸
۱۹۹۹	۱۱۴	۲۸٫۳۵
۲۰۰۴	۱۴۵	۲۶٫۵۳
بی جے پی		
۱۹۸۴	۲	۷٫۷۴
۱۹۹۱	۱۲۰	۲۰٫۰۴
۱۹۹۶	۱۶۱	۲۰٫۲۹
۱۹۹۹	۱۸۲	۲۳٫۷۵
۲۰۰۴	۱۳۸	۲۲٫۱۶
سماج وادی پارٹی		
۱۹۹۸	۲۰	۴٫۹۳
۱۹۹۹	۲۶	۳٫۷۶
۲۰۰۴	۳۶	۴٫۳۲
بھوجن سماج پارٹی		
۱۹۹۸	۵	۴٫۶۳
۱۹۹۹	۱۴	۴٫۱۶
۲۰۰۴	۱۹	۵٫۵۳
راشٹریہ جنتادل		
۱۹۹۸	۲۰	۴٫۹۳
۱۹۹۹	۲۶	۳٫۷۶
۲۰۰۴	۲۴	۲٫۴۱
جنتادل متحدہ		
۱۹۹۸	۶	۲٫۲۴
۱۹۹۹	۲۱	۳٫۱
۲۰۰۴	۱۲	۳٫۰۶

برطانیہ میں بیس لاکھ سے زیادہ بیروزگار

لندن- ۱۹۹۷ء کے بعد سے برطانیہ میں پہلی مرتبہ بیروزگاری ۲۰ لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ ملک کے دفتر قومی شماریات کے مطابق جنوری میں تین ماہ کے اختتام پر بیروزگار افراد کی کل تعداد ۲۳ لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ یوں بیروزگاروں کی تعداد میں اس عرصے کے دوران ایک لاکھ ۶۵ ہزار افراد کا اضافہ ہو گیا۔

فروری میں بیروزگاری الاؤنس کے لئے درخواستیں دینے والوں کی تعداد میں ایک لاکھ ۳۸ ہزار سے زیادہ افراد کا ریکارڈ اضافہ ہوا جس سے حکومتی الاؤنس کے لئے درخواست دینے والوں کی تعداد دس لاکھ ۳۹ ہزار ہو گئی۔

جوں جوں ۱۹۹۱ء کے بعد برطانیہ میں پہلے بڑے مالی بحران کے اثرات پھیل رہے ہیں، بیروزگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کئی ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ اگلے سال تک ملک میں بیروزگاروں کی تعداد ۳۰ لاکھ سے تجاوز کر جائے گی۔

ٹریڈ یونین کانگریس (ٹی یو سی) کے جنرل سکریٹری برینڈن باربر کا کہنا ہے کہ بیروزگاری کی موجودہ صورتحال بہتر ہونے سے پہلے مزید خراب ہوگی کیونکہ ہمیشہ معیشت میں بہتری آنے کے بعد بھی بیروزگاری جاری رہتی ہے۔

اگلے ماہ لندن میں دنیا کے امیر ترین ممالک غیر رسمی گروپ جی ٹوئنٹی کے سربراہ اجلاس کے حوالے سے برینڈن باربر کا کہنا تھا کہ اب انتہائی ضروری ہو گیا ہے کہ عالمی معیشت میں دوبارہ جان ڈالنے کے لئے عالمی رہنما مشترکہ کوششیں کریں۔

برٹش چیمبرز آف کامرس کے ماہر معاشیات ڈیوڈ کرن کا کہنا ہے کہ اب حکومت کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو اجرتوں میں امداد دینے کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرے۔

دفتر شماریات کے اعداد وشمار کے مطابق بیروزگاری میں سب سے زیادہ اضافہ نجی اداروں میں ہو رہا ہے۔

برٹش چیمبرز آف کامرس نے بھی اپنی رپورٹوں میں کہا ہے کہ موجودہ برس برطانوی معیشت بری طرح متاثر ہوئی ہے اور ۲۰۱۰ء تک برطانیہ میں بیروزگاری ۳۲ لاکھ سے تجاوز کر جائے گی۔

تعلیم کے موضوع پر ورکشاپ

لکھنؤ- اُتر پردیش فلاح عام سوسائٹی کی طرف سے تعلیم کے موضوع پر دو روزہ کیمپ ۲۱، ۲۲؍مارچ کو منعقد ہوا۔ اس کیمپ میں مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم ندوۃ العلماء، مولانا عتیق الرحمٰن اصلاحی، ڈاکٹر شکیل احمد صمدانی، عتیق احمد شفیق اصلاحی، پروفیسر عظیم الدین، جناب محمد احمد اور دیگر شخصیات نے تعلیم کے تعلق سے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا۔

جلسہ سیرت کا انعقاد

سرونج- کل ہند مجلس تعمیر ملت کے زیر اہتمام سرونج مدھیہ پردیش میں سیرت کے موضوع پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ میں جناب محمد عبدالرحیم قریشی سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ایڈوکیٹ قاضی عبدالکریم انصاری، ڈاکٹر شہاب الدین قریشی، مولانا شمس الدین آفریدی، مولانا سلیمان سکندر اور دیگر نے اظہار خیال کیا۔

وینزویلا میں اسلام

این خان

جنوبی امریکہ کے تمام ملکوں کے نام کم لوگوں کو یاد ہوں گے، لیکن ایک ملک ایسا ہے جس کو امریکی پالیسیوں پر تنقید کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ تیل پیدا اور برآمد کرنے والے اس ملک ''وینزویلا'' کی شہرت اس کے شعلہ بیان اور کف بدہن صدر ہیوگو شاویز کی وجہ سے بھی ہے جنھوں نے اقوام متحدہ کے اجلاس میں صدر جارج ڈبلیو بش کو شیطان کے نام سے پکارا۔ غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے دوران سوشلسٹ وینزویلا نے ۶ر جنوری ۲۰۰۹ء کو اسرائیلی سفارت کار کو ملک چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔

مکہ سے شائع ہونے والے مجلّہ ''حج وعمرہ'' کے مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارے میں "Muslims in Little Venice" کے عنوان سے ایس ایم اچ اکبر کا فیچر چھپا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے فیچر کی تلخیص یہاں پیش کی جارہی ہے:

وینزویلا جس کے معنی ''چھوٹے وینس'' کے ہیں، کو یہ دریافت کنندہ امریگو ویس پوشی (Amerigo Vespucci) نے ماراکیبو (Maracaibo) جھیل کے کنارے جھونپڑیوں سے متاثر ہوکر دیا۔ وینزویلا برازیل، میکسیکو، کولمبیا، ارجنٹنا اور پیرو کے بعد لاطینی امریکہ کا چھٹا گنجان آباد ملک ہے۔ اس کے دارالحکومت کاراکس (Caracas) میں پندرہ ہزار مسلمان آباد ہیں۔ کاراکس کی مزکوئٹا الابراہیم مسجد لاطینی امریکہ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ ایک مینار، ایک گنبد اور نماز پڑھنے کے لئے بنے ہال کے اندرونی حصے کو گلی سے ملانے والے گول گنبد کی طرف پلیٹ فارم سے اٹھنے والا ہشت پہلو ہال مسجد کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے ہیں۔ مسجد کی منصوبہ بندی ماہر تعمیرات آسکر براشو (Oscar Bracho) نے کی جبکہ ابراہیم بن عبدالعزیز الابراہیم فاؤنڈیشن نے اس کے لئے فنڈز مہیا کئے۔

یہاں کی معروف مسجدوں اور اسلامی تنظیموں میں اسلامارگارٹا کیریبے لاکمیونداو اسلامیکا وینزولانا، سینٹرو اسلامیکو دی وینزویلا، مزکوئٹا الرودا ان ماراکیبو، ایسوسی ایشن آنرابل مزکوئٹا دی جیروسلین ان والنشیا، سینٹرو اسلامیکو دی میکوشیاین ورگاس اور دی ایسوسی ایشن بنیفیکا اسلامیکا ان بولیوار شامل ہیں۔

مارگاریتا جزائر میں عرب مسلمانوں کی مناسب تعداد آباد ہے۔ یہاں کی مقامی کیبل سروس پر ''الجزیرہ'' کے علاوہ لبنان کے ٹی وی چینل ''ایل بی سی سیٹ'' اور ''اے آر ٹی'' کی نشریات دکھائی جاتی ہیں جبکہ حال ہی میں سعودی/اماراتی چینل ''ایم بی سی'' کی نشریات یہاں کے ناظرین کے لئے دکھائی جانے لگی ہیں۔ کاؤنٹر پر کام کرنے والی خواتین حجاب پہنے نظر آتی ہیں جبکہ اکثر دکانوں کے کاؤنٹرز پر قرآنی آیات بھی نمایاں لکھی گئی ہیں۔ عرب زیادہ تر پرچون کا کام کرتے ہیں جبکہ اب وہ بینکوں اور ٹریول ایجنسیوں کی جانب آنے لگے ہیں۔

امریکہ کے بیورو آف ڈیموکریسی ہیومن رائٹس اینڈ لیبر کی ۲۰۰۷ء کی انٹرنیشنل ریلیجس فریڈم رپورٹ کے مطابق وینزویلا کا آئین اس شرط پر آزادیٔ مذہب فراہم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے عوامی اخلاقیات، شائستگی یا عوامی امن کو نقصان نہ پہنچے اور حکومت عمومی طور پر اس حق کا احترام کرتی ہے۔

وینزویلا میں مذہبی عقائد یا ان پر عمل کی بنیاد پر کسی امتیاز یا سماجی زیادتی کی کوئی رپورٹ نہیں ملتی۔

وینزویلا تین لاکھ، ۵۲ ہزار ایک سو چوالیس مربع میل پر محیط ہے جبکہ اس کی آبادی ۲۷ ملین ہے۔ نوئیوا اسپارٹا ریاست اور کاراکس کے علاقے میں رہائش پذیر مسلمانوں کی ایک لاکھ کی تعداد بظاہر کم مگر انتہائی موثر ہے۔

وزارت داخلہ اور انصاف کی ڈائریکٹریٹ آف جسٹس اینڈ ریلیجن (DJR) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مذہبی گروہوں کا ریکارڈ مرتب کرے، مذہبی تنظیموں کو فنڈز جاری کرے اور مذہبی کمیونٹیز کے درمیان آگاہی پیدا کرے۔ وینزویلا کے ہر گروہ پر یہ لازم ہے کہ وہ مذہبی گروہ کی قانونی حیثیت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو DJR کے ساتھ رجسٹرڈ کروائے۔ رجسٹریشن کے لوازمات زیادہ تر انتظامی ہوتے ہیں تاہم کمیونٹی کے سماجی مدافعات کے لئے کام کرنے والے گروہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

وینزویلا میں انسانی آبادی کی آمد سولہ ہزار سال پہلے ہوئی۔ سب سے پرانے آثار قدیمہ شمال جنوب میں واقع ریاست فیلکن کے سیگوویا (Segovia) پہاڑوں میں دریافت کئے گئے۔ برسوں تک یہ مختلف لوگ آپس میں گھل مل نہ سکے۔ یہ الگ رہنے لگے اور انھوں نے سیکڑوں قبیلوں کو جنم دیا۔ ہر قبیلے کا الگ قانون اور مذہب ہوا کرتا تھا۔ یہ قبیلے خانہ بدوش تھے اور پانی اور خوراک کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ آخرکار انھوں نے زرعی ہنر سیکھے جس کے بعد ان کو خوراک کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت نہ رہی۔ انھوں نے مکانات کی تعمیر کرنے کا ہنر بھی سیکھا اور اچھے مکان تعمیر کئے۔ اس طرح ان کی صحت اچھی ہونے لگی، ان کی اوسط عمر بڑھ گئی اور ان کے بچے بھی زیادہ ہونے لگے۔ مختلف ثقافتوں والے ان قبائل کو علاقے کی روایات اور زبان کی یکسانیت نے جوڑ دیا۔ وینزویلا کے تین بڑے گروہوں میں اراواک (Arawak)، کارب (Carib) اور (Chipcha) شامل تھے۔

کرسٹوفر کولمبس وہ پہلا یوروپین تھا جو ۱۴۹۸ء میں وینزویلا پہنچا۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ انڈیا کی زمین پر قدم رکھ چکا ہے، یہاں کے باسیوں کو انڈینز کہنا شروع کردیا۔ کولمبس نے اس دریافت کے بارے میں لکھا جس سے اور لوگ بھی سمندر کے ذریعے اس سفر کے لئے راغب ہوئے۔

وینزویلا کے شمال میں کیریبین سمندر (جزائر غرب الہند)، مشرق میں گویانہ، جنوب میں برازیل اور مغرب میں کولمبیا ہیں۔ ملک کا سب سے اونچا مقام پیکو بولیوار ہے جس کی اونچائی ۱۶۴۲۷ فٹ ہے۔ سطح زمین مختلف اقسام کی ہے تاہم اس کو پانچ جغرافیائی خطوں انڈیز (پہاڑی)، ساحلی علاقہ، کوہستانی علاقہ، نشیبی علاقے اور میدانی علاقے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

کورڈیلرا وی میریڈا (Cordillera del Merida) کا علاقہ Andes خطے میں واقع ہے، جو کولمبیا کے Andes پہاڑوں سے شمال اور مشرق کی جانب پھیلتا ہے۔ Andes سلسلہ جنوبی امریکہ میں جنوبی سرے سے شروع ہوکر شمال میں وینزویلا میں کریبین ساحل کی طرف چار ہزار پانچ سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ ساحلی پٹی پتلی جبکہ بعض مقامات پر صرف چند میل چوڑی ہے۔ سمندر اور پہاڑوں کے درمیان کا علاقہ بہت زرخیز ہے جس کے باعث اکثر شہر اسی خطے میں آباد ہوئے ہیں۔ دیگر کئی بڑے شہروں کی طرح وینزویلا کا دارالحکومت کاراکس بھی ساحل کے قریب واقع ہے۔ یہ وینزویلا کا سب سے زیادہ گنجان علاقہ ہے لیکن یہ ملک کے کل رقبے کا صرف تین فیصد ہے۔ وینزویلا کے جنوب مشرق میں واقع پہاڑی علاقے میں بولیوار (Bolivar) اور ایمازوناس (Amazonas) کی ریاستیں واقع ہیں۔ تقریباً آدھی قوم اس خطے میں آباد ہے۔ یہاں واقع گویانا شیلڈ دنیا کی پرانی پہاڑی آبادیوں میں سے ایک ہے۔ جنگل یہاں کا سب سے بڑا قدرتی سرمایہ ہے جبکہ یہاں کی زمین ہیرے، سونے اور لوہے کے بیش بہا خزانے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ گران ساباناً (Gran Sabana) بھی اسی پہاڑی سلسلے میں واقع ہے۔ اس علاقے میں سو سے زائد ٹیوئس (Teuis) واقع ہیں۔ واضح رہے کہ ٹیوئس جنوبی امریکہ کے ان پہاڑوں کو کہا جاتا ہے جن کی چوٹیاں میز کے اوپری حصے کی طرح ہوتی ہیں، اسلئے انہیں Table-top mountain کہا جاتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا آبشار Auyantepui'angel Falls کے کونے سے گرتا ہے۔ اس کی اونچائی ۳۲۱۲ فٹ ہے۔ جب Angel Falls سے پانی گرتا ہے تو نیچے پہنچنے میں اسے ۱۴ سیکنڈ لگ جاتے ہیں۔ ماراکیبو (Maracaibo) جھیل کے ارگرد کے علاقے کو نشیبی علاقہ کہتے ہیں۔ اس علاقے کو سیرا ڈی میرڈا (Sierra de Merida) اور پیریجا (Perija) پہاڑی سلسلوں نے تین اطراف سے گھیرا ہوا ہے۔ نتیجتاً بہت کم ہوا علاقے میں داخل ہو پاتی ہے۔ اس وجہ سے یہ جنوبی امریکہ کا گرم ترین علاقہ بن جاتا ہے۔ پہاڑوں کے دامن سے لے کر جھیل تک پتھر اور ریت پڑی ہے جبکہ جھیل کا جنوبی کنارہ دلدلی ہے۔ جھیل کے گرد کا علاقہ پٹرولیم ذخائر کی وجہ سے مشہور اور وینزویلا میں تیل کی پیداوار کے لئے ہونے والی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔

llanos وادی دریائے اورینوکو گھاس پھوس سے بھرپور اور بڑے درختوں کے بغیر سب سے بڑا زمینی خطہ ہے۔ نمی والا یہ علاقہ چھ سو میل لمبا اور دو سو میل چوڑا ہے۔ یہ علاقہ ملک کے ایک تہائی رقبے پر مشتمل ہے یہاں دریائے 'اورینوکو' سمیت متعدد دریا اور ندیاں بہتی ہیں۔ اورینوکو اور اس کے معاون دریا مل کر جنوبی امریکہ کا سب سے بڑا دریائی نظام بناتے ہیں۔ یہ دریا وینزویلا اور برازیل کی سرحد سے شروع ہوتا ہے اور میدانی علاقوں کے جنوبی کنارے سے شمالی حصے میں داخل ہوکر سمندر میں شامل ہوجاتا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں ملک کے زیادہ تر مویشی پالے جاتے ہیں اور یہاں کے باشندگان کاشتکار ہیں۔ ملک کے صرف دس فیصد شہری یہاں آباد ہیں۔

وینزویلا کی زمین اور موسم ہر خطے میں مختلف ہے۔ Andes کے اونچے حصے سال بھر برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ملک کی آب وہوا زیادہ تر گرم اور آرام دہ رہتی ہے۔ موسموں کی تبدیلی کے ساتھ درجۂ حرارت میں چند ڈگری کا فرق رہتا ہے۔ دسمبر اور جنوری میں زیادہ سردی رہتی ہے جبکہ مئی سے اکتوبر تک موسم سخت گرم ہوتا ہے۔ دسمبر سے اپریل تک موسم خشک جبکہ مئی سے نومبر تک برسات کا موسم رہتا ہے۔ ملک کا شمالی حصہ بہت زیادہ خشک جبکہ جنوبی حصوں میں ہوا میں نمی رہتی ہے۔ ●●

الوداع حضرت ابوالمجاہد زاہد الوداع

ڈاکٹر سید عبدالباری

افسوس کہ اسلامی شعروادب کے آسمان کا ایک اور روشن ستارا ٹوٹا اور ہماری صفوں کا ایک ممتاز سخنور اور زبان داں ہم سے جدا ہوگیا۔ کائنات شعروسخن علم وفکر، دانش وحکمت میں عجب سناٹا چھا گیا ہے۔ ۵۰، ۶۰ سال کی طویل تاریخ ادب اسلامی میں ایسی گھڑیاں بار بار آتی رہی ہیں۔ درجنوں ہمارے ممتاز قلمکار ہم سے اسی طرح جدا ہوئے اور ان کے فراق کے دردوچبھن میں ہم مدتوں مبتلا رہے لیکن اس وقت ایک ایسا اہم سفر اور ایسا کارواں سالار ہم سے رخصت ہوا جس کی کمی شاید مدتوں پوری نہ ہوسکے۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے اصغر علی عابدی، م۔نسیم، ابن فرید اور عبدالمغنی رخصت ہوئے اور ہماری اسلامی نثر کی دنیا اجاڑ ہوگئی۔ اس سے پہلے ممتاز شاعر حفیظ میرٹھی، سہیل احمد زیدی، عزیز بگھروی، رشید کوثر فاروقی اور ان سے پہلے حضرت مائل خیر آبادی، فاروق بانسپاری عروج قادری، انور اعظمی، جمال احمد امین آبادی وغیرہ نے تعمیری شعروادب کے قافلے کو الوداع کہا تھا۔ اس وقت ابوالمجاہد زاہد سے محروم ہوکر محسوس ہوتا ہے کہ ہم لوگ اُردو زبان وادب کے معتبر ترین فنکار سے محروم ہوگئے۔ زاہد صاحب اُردو کی شعری روایت کے مستند ترین اساتذہ میں علامہ سیماب اکبر آبادی کی تنہا یادگار رہ گئے تھے۔ اور دوسری جنگ عظیم کے دوران، رامپور سے شائع ہونے والے اخبار دبدبۂ سکندری میں پیشانی پر شاعرودبدبہ سکندری کے خطاب کے ساتھ ان کا نام شائع ہوتا تھا۔

آزادی کے بعد جب اسلامی ادب کی تحریک یہاں برگ وبار لائی اس وقت وہ ایک جواں سال مگر پختہ کار فنکار کی حیثیت سے سامنے آئے اور لکھنؤ میں ممتاز جریدہ نئی نسلیں کے معاون مدیر کی حیثیت سے آکر مقیم ہوئے۔ یہ بڑی شوریدہ سری کا عہد تھا۔ لکھنؤ کیا پورے ملک میں اُردو شعروادب پر ترقی پسندیت کا سحر طاری تھا۔ لکھنؤ اس کا خاص مرکز تھا۔ مگر اسی مرکز میں م۔نسیم اور ابوالمجاہد کی قیادت میں نوجوان اسلام پسند اہل قلم کا ایک قافلہ بھی گرم سفر تھا اور الحاد وخدا بیزاری کی موجوں سے متصادم تھا۔ زاہد صاحب اپنی انقلاب آفریں نظموں کے ذریعہ طوائف اور مزدور سے جھوٹی ہمدردی کا طلسم توڑ رہے تھے۔ ان کی نظم اے زہرہ جبیں ناچ ترقی پسندیت کے منہ پر ایک طمانچہ تھی جو طوائف کو مزدور قرار دیتے تھے۔

کم ظرف ہیں دیتے ہیں طوائف کو جو طعنے
اے زہرہ جبیں اصل میں مزدور ہے تو بھی

اپنی نظم ''مزدور'' میں ترقی پسندوں کی قلعی کھولتے ہیں۔

سیم وزر کا مشغلہ آٹھوں پہر
آئے مزدوروں کے جلسہ میں مگر
بھوک پر تقریر لیڈر بن گئے

دوسری طرف زاہد صاحب اپنی نظموں کے ذریعہ خدا پرستی کا پیغام اس دلکش اسلوب میں دے رہے تھے۔

یہ مرتب کائنات وگردش شام وسحر
خود بخود کیا آگیا ان میں یہ نظم وشعور
وہ کھلاتا ہے تو کھلتے ہیں گلستاں میں گلاب
وہ چلاتا ہے تو چلتی ہے ہوائے صبح گاہ

میں ۵۷-۱۹۵۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں طالب علم تھا۔ رشید کوثر فاروقی بھی انگریزی میں ایم اے کررہے تھے۔ انور صدیقی بھی موجود تھے۔ احمد حسین انصاری اور اکبرزم زم جیسے ذہین وزاک نوجوان تھے۔ سب زاہد صاحب کے حلقہ بگوش، بڑی بڑی کانفرنسوں میں شرکت ہوتی اور بڑے ولولے سے ادب کو علامہ اقبال کے خوابوں سے ہم آہنگ کرنے اور روش صدیقی وشفیق جونپوری وعبدالماجد دریابادی وضیا احمد بدایونی کے تصورات میں رنگ بھرنے میں مصروف تھے۔ پھر وقت گزرتا ہے۔ زاہد صاحب رامپور پھر آخری دنوں میں دہلی میں آکر مقیم ہوئے اور اس نیاز مند کو مزید استفادہ کا موقع ملا۔ ''تگ وتاز'' کا جواں سال فنکار ''ید بیضا'' کی پختہ کاری کی منزل تک آگیا مگر ۵۰ سال پہلے کی شوخی، سیمابیت، ولولہ حق گوئی اور اپنے لازوال فن کا ذریعہ اپنے محور حیات یعنی اسلام کی سربلندی کے لئے مسلسل جدوجہد میں کوئی کمی نہ آئی۔ ہم زاہد صاحب کے قریب جب بھی ہوتے محسوس کرتے کہ ہماری شریانوں میں لہو کی گردش تیز ہے اور حق وصداقت کی خاطر ہم پوری دنیا کو فتح کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ آہ ایسے سپہ سالار کو کھو کر اب اس کی فوج کے پیادے کیا کریں۔ مگر خود زاہد صاحب کے اس پیام کو جب ہم ذہن میں تازہ کرتے ہیں تو اس خلا سے پیدا ہونے والا غم کافور ہوجاتا ہے۔ اور ہمارے قدم دوبارہ جادۂ حق پر گامزن ہوجاتے ہیں۔

لاکھ دیوار چمن راستہ روکے لیکن
بوئے گل کی بھی کہیں خوئے سفر جاتی ہے
بات تھی صرف عزم و ہمت کی
میں نے منزل کو زیر پا دیکھا
ساتھیو جس میں مستور ہے روشنی
بڑھ کے وہ چادر تیرگی پھاڑ دو
رات کے سینۂ شیطنت خیز میں
صبح صادق کا بڑھ کر علم گاڑ دو
یہ سوچو کیسی راہوں سے گزر کر میں یہاں پہنچا
یہ مت دیکھو مرے دامن میں الجھے خار کتنے ہیں
ملا ہے ہمیں بوئے گل کا مقدر
ہمارا سکوں ہے پریشاں رہنا

●●

اُردو کی بقا کیلئے چند انفرادی کام

ملک اکبر، بھانڈوپ

اُردو کے فروغ کے لئے کچھ کام اجتماعی طور سے کرنے ضروری ہیں اور کچھ انفرادی طور سے۔ حکومتی اداروں سے اردو کا جائز حق حاصل کرنا، نصابی کتابوں کی بروقت اشاعت کرنا اور سرکاری اسکول کے مسائل حل کرنا یہ کام اجتماعی سطح پر کرنے ضروری ہیں جو طویل المیعاد ہے۔ ساتھ کچھ انفرادی کام بھی افادیت سے پُر ہیں اور ان پر فوری عمل کیا جاسکتا ہے۔ ہر فرد اس پر عمل کرسکتا ہے۔ مثلاً بقول محمود عالم'' اُردو کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ ہم خود گھر میں اور باہر اُردو زبان میں جو ملک کی سب سے پیاری زبان ہے، ہم کلام ہونے کی کوشش کریں۔'' (اُردو بک ریویو، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۸ء) مدیر اُردو بک ریویو محمد عارف اقبال رقم طراز ہیں کہ'' اُردو گھرانے کا ہر ذمہ دار شخص اپنے بچوں اور عزیزوں کو اُردو زبان کی تعلیم خود دے یا کسی ٹیوٹر سے اُردو کی تعلیم لازماً دلائے۔ جس طرح وہ سائنس کی تعلیم دلانا ضروری خیال کرتا ہے۔'' (اُردو بک ریویو جولائی، اگست ۲۰۰۳ء)

آج ہمارے گھروں سے اُردو کے الفاظ ندارد ہوتے جارہے ہیں، کئی الفاظ متروک ہوچکے ہیں۔ مثلاً، آج کل ہمارے گھروں میں یہ جملہ بہت عام ہے کہ'' بہت Problems چل رہے ہیں، حالانکہ پرابلمس کی بجائے ''مسائل'' کا استعمال کرنا چاہئے۔ میں نے ایک دن غور کیا کہ اپنے بچے لفظ "Ball" کا استعمال کثرت سے کررہے ہیں۔ ایک بچے سے میں نے کہا'' بیٹے گیند لاؤ ہم کھلیں گے'' تو وہ میرا منہ تکنے لگا۔ پھر دوسری مرتبہ کہا' گیند' لاؤ تو بھی نہیں سمجھا آخر کار کہا کہ Ball کو اُردو میں گیند کہتے ہیں۔ اس کے بعد سے میں نے لفظ گیند کا استعمال شروع کیا۔ گویا ہم نے Ball کو اس کثرت سے استعمال کیا کہ اس میں ''گیند'' متروک ہوگیا۔

اسی طرح کہ نہ جانے کتنے الفاظ ہیں جن کا اُردو کا لفظ کیا ہے یہ ہم بھی نہیں جانتے جیسے ''ٹیچر، ٹیبل، ڈسٹرب (Disturb)، ٹینشن، موڈ نہیں، رش (Rush) وغیرہ وغیرہ حالانکہ ان کی بجائے ہم آسانی سے اُردو الفاظ استعمال کرسکتے ہیں۔ دوران'' صحافت کورس'' ہمارے استاد شمیم طارق گاہے بگاہے مہمان معلم (Visiting Facalty) کو مدعو کرتے تھے ایک مرتبہ ہماری کلاس میں فضیل جعفری آئے۔ انہوں نے طلبہ سے کہا کہ'' اگر ہم اُردو کے الفاظ استعمال نہ کریں تو وہ دھیرے دھیرے غیر مانوس ہوجاتے ہیں اور بلا آخر ختم ہوجاتے ہیں۔ بطور امتحان انہوں نے ہم سے پوچھا کہ پنشن میں آنے کو، اُردو میں کیا کہتے ہیں۔ کافی دیر تک طلبہ وطالبات غور کرتے رہے مگر کوئی نہیں بتاسکا۔ کیونکہ ہمارے یہاں سبھی لوگ کہتے ہیں کہ'' میں پنشن میں آگیا۔ میرے شوہر کی پینشن جاری ہے وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں فضیل جعفری نے کہا کہ پینشن میں آنے کے لئے ''وظیفہ یافتہ'' ہے۔ واقعی یہ لفظ تقریباً ختم ہوچکا ہے۔ اگر ہم اس کا استعمال جاری رکھتے ہیں تو یہ اس قدر مشکل وغیر مانوس نہیں لگتا جتنا ابھی لگ رہا ہے۔

اُردو اخبارات اُردو زبان کے نمائندے بھی ہوتے ہیں، پوری کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارے اخبارات میں صحیح اُردو لکھی جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ معدودے چند کے اکثر اُردو اخبارات کی زبان میں کافی غلطیاں ہوتی ہیں۔ ایک معروف اخبار کے صحافی نے ایک دن لکھا'' بے جا اصراف'' اس میں دو غلطیاں ہیں۔'' بے جا'' یہ اضافہ ہے اسراف تو بے جا ہی ہوتا ہے۔ دوسری غلطی ''ص'' کی ہے اسراف میں ''س'' ہے۔ اس طرح کے کئی الفاظ ہیں جس میں ہم بلاوجہ اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بچنا چاہئے۔

اکثر لوگ ابتدائی تعلیم تو اُردو سے حاصل کرتے ہیں۔ مگر دسویں کے بعد اُن کا اُردو سے رشتہ منقطع ہوجاتا ہے۔ چونکہ اعلیٰ تعلیم انگریزی میں ہوتی ہے۔ اور وہ اس تعلیم میں اس قدر مشغول ہوجاتے ہیں کہ ملازمت لگنے کے بعد بھی وہ اُردو کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتے جس کی وجہ سے اُردو الفاظ ان کی بول چال سے تقریباً ختم ہوجاتے ہیں۔ پہلی تا دسویں اُردو ذریعہ تعلیم کے باوجود اُردو کے ساتھ یہ سلوک بہت بری بات ہے۔ ایسے افراد کو چاہئے کہ کوئی کتاب، رسالہ یا اُردو اخبار کا مطالعہ جاری رکھیں اس طرح وہ اُردو کے ربط میں رہیں گے اور انہیں الفاظ غیر مانوس نہیں لگیں گے۔

گجراتی حضرات، بوہری، برتن بیچنے والے حضرات اپنے بل، ڈائریاں اور برتن پر گجراتی میں بھی لکھتے ہیں۔ ہمیں بھی کوشش کرنی چاہئے کہ شادیوں کے رُقعے، فہرست وغیرہ اُردو میں لکھنا چاہئے۔ جہاں ضروری ہو وہاں دیگر زبانوں کا استعمال کرنا چاہئے۔

●●

چار دہائیوں بعد فرانس، نیٹو میں شامل..

فرانس نے چار دہائیوں تک نیٹو سے علیحدہ رہنے کے بعد اتحاد میں واپسی کا اعلان کردیا ہے۔ جس سے اس کے اتحادی ممالک میں خوشی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ سیاسی مبصرین اس فیصلے کو نہایت اہمیت دے رہے ہیں۔

فرانس کی نیٹو میں شمولیت کے حوالے سے موجودہ صدر نکولس سرکوزی کے دور حکومت میں نہایت اہمیت دی جارہی تھی اور اس موضوع پر اپوزیشن اور حکمراں جماعت میں بحث بھی ہوتی رہی ہے۔ حکمراں جماعت اسے ملک کے مفاد میں جب کہ اپوزیشن اسے ایک خطرناک فیصلہ قرار دے رہے ہیں۔ اس بات کی تصدیق فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی نے پیرس میں ایک تقریر کے دوران کی۔ گو اس فیصلے پر فرانس میں ملا جلا ردعمل پایا جارہا ہے لیکن فرانس کی نیٹو میں واپسی کو عالمی تناظر میں بہت زیادہ اہمیت دی جارہی ہے۔

واضح رہے کہ ۱۹۶۶ء میں چارلس ڈیگال کے دور میں فرانس نے نیٹو سے یہ کہہ کر علیحدگی اختیار کرلی تھی کہ یہ معاہدہ فرانس کی سالمیت پر سمجھوتے کے مترادف ہے۔ تاہم اب نیٹو میں فرانس کی واپسی پر مبصرین کا کہنا ہے کہ فرانس اب، برطانیہ جیسی ایک اور شبیہ سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔ تاہم فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی کا کہنا ہے کہ اس بات کا کوئی مطلب نہ تھا کہ نیٹو اتحاد کے بانی ممبر فرانس کی نیٹو کی فوجی حکمت عملی کی تشکیل میں کوئی رائے ہی نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ نیٹو کی جانب دوبارہ بڑھنا ہماری قومی آزادی کا ضامن ہے اور اگر ہم خود کو مزید دور کریں گے تو نہ صرف ہمارا دائرہ کار کم ہوجائے گا۔ بلکہ ہم اپنی آزادی بھی محدود کرلیں گے۔ جب کہ دنیا کی بدلتی ہوئی صورت حال کے مطابق ہم کو فیصلے کرنا ہوں گے۔ ورنہ ہمیں نقصان کا اندیشہ ہے۔

سرکوزی کا کہنا تھا کہ ہمیں مضبوط سفارت کاری، مضبوط دفاع اور مضبوط یورپ کی ضرورت ہے اور اسے کسی بھی طور پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ نیٹو پر فرانسیسی صدر نے واضح کیا کہ ان کا ملک اپنی خودمختار جوہری صلاحیت سے دستبردار نہیں ہوگا اور یہ ہمارا اہم اور آخری فیصلہ ہے۔ فرانسیسی صدر نیٹو میں فرانس کی واپسی کو باقاعدہ بنانے کے لئے معاہدے کی ساٹھویں سالگرہ سے قبل نیٹو کو ایک خط لکھیں گے۔

نیٹو کے سکریٹری جنرل جاپ ڈی ہوپ شیفر نے فرانسیسی صدر کے اعلان کا خیر مقدم کیا ہے اور کہا ہے کہ'' اتحاد کے عسکری وغیر عسکری فیصلوں میں فرانس کی شمولیت سے صرف یہ عمل مضبوط ہوسکتا ہے۔'' یورپی ممالک بھی اس فیصلے سے بہت خوش دکھائی دے رہے ہیں اور انہوں نے فرانس کی نیٹو میں شمولیت کو کھلے ہاتھوں سے خوش آمدید کہا ہے۔

دوسری جانب نامہ نگاروں کا کہنا ہے کہ بہت سے فرانسیسی شہری نیٹو سے فرانس کی علیحدگی کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور وہ اس معاملے میں خاصے جذباتی بھی دکھائی دے رہے ہیں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد فرانس میں موجود ہے جو اس فیصلے پر چراغ پا ہے۔ کئی ایک جگہ احتجاجی مظاہرے بھی کیے گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اب فرانس کو امریکی خواہشات کے سامنے سر جھکانا پڑے گا اور یہ ملک کی خودمختاری پر ایک کاری ضرب ثابت ہوگا۔ لوگوں کو بڑا خدشہ یہ ہے کہ فرانس کو اب امریکہ کی ہر بات کو ماننا پڑے گا اور ممکنہ طور پر اسے ان جھگڑوں میں بھی گھسیٹا جائے گا جن میں شریک ہونا فرانس کو ماضی میں پسند نہیں تھا۔

احتجاج کرنے والوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اب ہمیں دوسروں کی آگ میں دھکیلا جائے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ اپنے غلط فیصلوں کی وجہ سے عراق اور افغانستان میں پھنس چکا ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ نیٹو ممالک کو بھی اس آگ میں دھکیل دے۔ فرانسیسی باشندوں نے احتجاج کے دوران اس فیصلے کے خلاف بہت سخت جملے استعمال کیے ہیں۔ سوشلسٹ اپوزیشن کے رہنما مارٹن اوبری کا کہنا ہے کہ آج کے دور میں فرانس کی نیٹو میں واپسی کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ بنیادی طور پر یہ اٹلانٹک ازم ہے جو کہ ایک نظریہ بنتا جارہا ہے اور ہمیں کسی ایسے فیصلے کی حمایت نہیں کرنی چاہئے جو ملک کی سالمیت اور اس کے مستقبل کے لئے خطرہ پیدا کرے۔ اپوزیشن رہنما نے موجودہ صدر نکولس سرکوزی پر بھی سخت تنقید کی اور سے ایک غیر دانش مندانہ قدم قرار دیا جب کہ بعض لوگوں نے فرانس کی نیٹو میں شمولیت کو نہایت خوش آئند قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ نیٹو میں ان کی شمولیت موجودہ سیاسی تناظر میں ایک اہم قدم ہے۔ (ماخوذ)

دھوکہ باز، عہد شکن کا جھنڈا...... بدعہدی کی بلندیوں تک

ظفر عاقل، دارالعلوم صفۃ، نظام آباد

اب جب کہ ہمارے ملک عزیز میں حکمرانی کے لیے میدان کھول دیا گیا ہے اور تمام ہی پارٹیاں اور چھوٹے بڑے لیڈر خم ٹھونک کر اپنی اپنی ڈفلی بجاتے سامنے آنے لگے ہیں۔ 'الیکشن کے اُصول وضوابط اپنا رنگ جمانے لگے ہیں۔ اور مدّ مقابل کی حیثیت' طاقت واثرات کا باریک بینی سے جائزہ لینے، اُس کا توڑ کرنے یا پھر جوڑ توڑ کرنے کا وقت قریب آلگا ہے۔ 'دولت کے انبار' روپے پیسے کی جھنکار اور غریبوں کے بیگار کے لیے پرانے شکاری نئے جال بننے میں مصروف ہوچکے ہیں۔ جب کہ ذات برادری کے تناسب اور مول تول کے اندازے لگائے جارہے ہیں۔' اور چھوٹی مچھلیاں جھوٹی ہڈیوں پر للچائی نظریں ڈالنے لگی ہیں اور بڑی وھیل اس جمہوری تماشہ وپنج سالہ بازار میں سرمایہ کاری کے بالمقابل نفع ونقصان کی شرح کا اندازہ لگانے میں مصروف ہیں۔ اِدھر کوئی خاندانی برتری کے احیاء وبرقراری کے لئے بے چین وبے قرار ہے، اُدھر کسی بیٹے کو باپ سے شکایت ہے کہ جانشینی کی منتقلی کا اس سے اچھا اور کونسا موقع دستیاب ہوسکتا ہے کہ فائدہ اٹھانے میں کسر چھوڑی جائے۔ چنانچہ شراب وکباب' ناؤ ونوش کے دلفریب ایام اپنا رنگ دکھانے لگے ہیں اور ہر مداری اپنی ہی ایجاد کردہ ایک نئی تال پر ڈگڈگی بجا کر بندر ناچ کا اِندر بازار جمانے سجانے پر لگا ہوا ہے۔ بڑے مئے خانوں پر ٹکٹ کے لیے بڑا ہجوم اور دیگر خانہ خرابوں پر حسب توفیق واستطاعت اُمیدوار لائن لگائے اثرات' قربت وتعلقات سے زیادہ دینے' دلانے کی قوت رکھنے یعنی تھیلوں کے منہ کھول کر میدان کرب وبلا میں پالا مارنے کی قوت کا مظاہرہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اس طرح یہ ہے وہ منظرنامہ جس سے کم وبیش آج کے شب وروز اور آج کا بظاہر چالاک لیکن سادہ لوح ووٹر گزر رہا ہے۔

قوموں کی زندگیوں میں خالق ارض وسماء نے نہ جانے کتنے مواقع عطا فرمائے ہیں جس سے عروج کے زینوں کی ہم قدمی اور زوال کو ختم زدہ کردینے کی راہیں کشادہ وہموار ہوتی ہیں۔ لیکن سوال اب یہ رہ جاتا ہے کہ مسلم قوم' جس سے وطن عزیز کا درخشاں مستقبل وابستہ ہے' کیا اس بہترین و نادر موقع کا صحیح استعمال بھی کرپائے گی یا پھر

باقی صفحہ ۵ پر

POSTED ON 29 MARCH 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. یکم اپریل ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 /2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

مصالحت اور مفاہمت کی راہ

میم ضاد فضلی

دیر سے ہی سہی مگر خوش آئند بات یہ ہے کہ دنیا کے سپر پاور امریکی صدر بارک اوباما کو یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ افغانستان میں تقریباً نو برسوں سے جاری خونریزی اور طالبان کے نام پر بے گناہ عوام کا قتل عام کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ بارک حسین اوباما کی دوراندیشی کا یہ دوسرا ثبوت ہے۔

اس سے قبل عراق کے سلسلے میں بھی وہ اسی قسم کا اعلان کر چکے ہیں۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی فوج کے بے جا استعمال اور ہلاکتوں پر حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے امریکی عوام کے جذبات کو محسوس کر لیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکی عوام کسی موقع پر مسائل کے حل کے لیے عراق یا افغانستان میں فوجی طاقت کے طرف دار نہیں رہے ہیں۔ عوام نے وقفے وقفے سے اپنے مظاہروں اور احتجاج کے ذریعے حکومت پر یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی ہے کہ وہ حصول امن کے لیے بارود کے کھیل کو پسند نہیں کرتے اور انہیں یہ بھی پسند نہیں ہے کہ اپنی دنیا بسانے کے لیے دوسروں کا گھر اجاڑ دیا جائے، ان کے آشیانے مسمار کیے جائیں اور کسی ملک پر قبضہ کر کے ظلم اور بربریت کی داستان تحریر کی جائے۔

اپنے عوام کے احساسات و جذبات کے ایسے ہی ادراک میں سابق امریکی صدر جارج واکر بش نے کوتاہی کا ثبوت دیا تھا۔ دراصل آدمی کی انا اور ''ہم چنیں دیگرے نیست'' والی ذہنیت انسان کی فکر اور ضمیر کو مثبت پہلو کی طرف غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی اور وہ اپنے زعم باطل میں یہ یقین کر بیٹھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے صد فیصد صحیح ہے۔ اس کا ہر فیصلہ پتھر کی لکیر ہے، اس کا ہر قدم حرف آخر ہے اور اس سے بہتر فیصلہ یا اقدام کی طاقت سے دنیا محروم ہو چکی ہے۔

مزاحمت کاروں کے ذریعے بے تحاشہ امریکی فوجی ہلاک کیے جاتے رہے۔ ان کے اعزہ و اقربا بش کی بارگاہ میں اپنے اشکوں کا دریا بہاتے رہے، سینے چاک کیے اور مسلسل ہچکیوں میں زندگی گزارنے پر مجبور رہے۔ مگر جارج واکر بش کے انا پسند ضمیر نے عوام کی آہوں، سسکیوں اور بے قراریوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے سب سے طاقتور ملک کا یہ فرماں روا خود اپنے عوام کی نظروں میں مطعون قرار دے دیا گیا۔

گزشتہ دنوں امریکی ذرائع ابلاغ نے ایک جائزے میں بتایا تھا کہ یہاں کے عوام کا اکثر حصہ بش کو ناقابل پسند شخصیت تصور کرتا ہے۔ بش کے ظالمانہ اقدامات اور جابرانہ طرز حکومت نے دنیا کی نگاہوں میں بھی انہیں نہایت پست اور رسوا قرار دے دیا۔ منتظر الزیدی کے ذریعے ان پر برسائے گئے جوتوں کے بعد دنیا کی خاموشی اس کا ثبوت ہے۔ امریکی عوام نے اپنے اس ظالم فرماں روا کو اپنی نگاہوں سے اتنا گرا دیا کہ ان کی پارٹی کا صدارتی امیدوار بھی ان کی نگاہوں میں قابل توجہ نہیں رہا اور بالآخر اسے شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑا۔

اس کے برعکس اوباما نے اپنے عوام کے جذبات و احساسات کا ادراک کرتے ہوئے وہ قدم اٹھانے کا تاریخی فیصلہ کیا ہے جو دنیا بالخصوص امریکی عوام کی نگاہوں میں ان کی عظمت میں اضافے کا باعث ہوگا اور عوامی جذبات کے احترام کا یہ کارنامہ صدیوں یاد رکھا جائے گا۔ اس کے متعلق برملا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صدر بارک حسین اوباما نے عراق سے امریکی فوج کے انخلا کا جو فیصلہ کیا ہے یہ ان کے عوام دوست اور اپنے ملک کا خیر اندیش فرماں روا ہونے کی علامت ہے۔

چنانچہ عراق کے بعد آج مسٹر اوباما نے افغانستان سے متعلق اعتراف کیا ہے کہ یہاں امریکی فوج کامیاب نہیں ہو رہی ہے اور اسی کے ساتھ انہوں نے افغانستان میں برسرپیکار مزاحمت کاروں سے صلح کا عمل شروع کر دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق اس سلسلے میں وہ نرم رخ رکھنے والے طالبانی رہنماؤں سے رابطہ رکھیں گے۔ واضح رہے کہ یہ رابطہ اسی طرح ہوگا جیسا کہ ماضی قریب میں انہوں نے عراقی جنگ میں سرگرم سنی مزاحمت کاروں کے ساتھ کیا تھا۔

اوباما کے کامیاب فرماں روا اور اپنے ملک کا مخلص ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اس فیصلے کے ذریعے صرف اپنے عوام کے جذبات کی قدر ہی نہیں کی ہے بلکہ اس اقتصادی کساد بازاری کو دور کر کے امریکہ کو ایک بار پھر سے اسی بلندی کی طرف لے جانے کے عزم پیہم کا اشارہ بھی کر دیا ہے جس سے موجودہ بربریت اور دیار غیر میں تعینات اپنی فوج پر بے اندازہ خرچ کر کے اس وقت وہ دیوالیہ ہو چکا ہے جو کسی بھی ملک یا قوم کے رہنما کے لیے نہایت ضروری ہے۔

قوموں کی ترقی اور عروج کے لیے فکر مند شخصیات کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے کسی بھی اقدام میں پوری قوم اور ملک کی فلاح و بہبود کو پیش پیش رکھتے ہیں۔ وہ رہنما کبھی بھی کامیاب قرار نہیں دیا جاتا اور نہ اسے قومیں اپنے خیر خواہ رہبر کے طور پر یاد رکھ پاتی ہیں جس کی کارکردگی میں قومی مفادات اولیت کا درجہ نہ پاتے ہوں اور جو اپنے ہر فیصلے میں انا اور خود غرضی کو فوقیت دیتا ہو۔ اگر چاہتے تو مسٹر اوباما بھی سابق مطعون صدر بش کی طرح عراق سمیت برصغیر میں برپا جنگ و جدل کو اپنی انا کا مسئلہ بنا سکتے تھے مگر اس سے ان کے نفس کو سکون ضرور ملتا، ان کی انا قرار پاتی مگر امریکی قوم جن اذیتوں سے اس وقت گزر رہی ہے اور اقتصادی کساد بازاری نے جس بے روزگاری اور افراتفری کے جہنم میں اسے ڈال رکھا ہے اس سے نجات کا یہ راستہ نہیں تھا۔ اوباما کی مثبت فکر نے غالباً اس حقیقت کو بھی محسوس کر لیا ہے کہ تیغ و سنان، توپ و تفنگ سے دوریاں بڑھتی ہیں، حالات مزید بگڑتے ہیں، حتیٰ کہ فوجی قوت کے ذریعے قیام امن کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا انہوں نے دنیا کو امن سے آشنا کرنے اور جنگ کے نتیجے میں ابلنے والی بے چینیوں کو دور کرنے کے لیے ایسا قدم اٹھایا ہے جس کے بغیر بقائے امن کا کوئی بھی حل نہیں ہے۔ اوباما انتظامیہ نے اس سے پہلے بھی اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ برصغیر میں جاری جنگ سے امن و سکون بحال کر پانا ناممکن ہے۔ چنانچہ گزشتہ ماہ ہی امریکی کمانڈر جنرل ڈیوڈ پیٹریس نے واضح لفظوں میں کہا تھا کہ ہم قیام امن کے لئے بارود کا جو کھیل کھیل رہے ہیں اس سے امن کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔

سب سے زیادہ مسرت یہ ہے کہ صدر اوبامہ کے خیالات کے منظر عام پر آتے ہی ساری دنیا بالخصوص یوروپی ممالک نے بھی اس کی تائید شروع کر دی ہے۔ چنانچہ کینیڈا نے بھی افغانستان میں طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت کرنے کا اعلان کیا ہے۔ کینیڈین وزیر خارجہ لارنس کینن نے نشریاتی ادارے کو انٹرویو میں کہا کہ کینیڈا افغانستان میں ہتھیار پھینکنے والے طالبان سے مذاکرات کی حمایت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ افغان صدر حامد کرزئی حکومت کی مدت پورا ہونے پر افغان حکومت اور عالمی برادری ہتھیار پھینکنے والے طالبان سے مذاکرات کرتے ہیں تو کینیڈا کی حکومت بھی اس اقدام کی حمایت کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کینیڈا افغانستان میں ہر قسم کی تشدد کا خاتمہ چاہتی ہے اور ہر مسئلے کو مذاکرات کے ذریعہ حل کرنے پر یقین رکھتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ افغانستان سمیت برصغیر میں جاری فوجی کارروائی ماضی بعید میں ہی روک دی جانی چاہیے تھی۔ اس صورت میں امریکہ سمیت دیگر حلیف ممالک کو اپنے ہزاروں سپاہی کی جانیں گنوانے سے بچایا جا سکتا ہے۔ مگر برا ہو انا اور خود پسندی کا جو انسان کو مصالحت اور اعتدال کی جانب سوچنے کی فرصت ہی نہیں دیتی۔ جارج بش سے ان کے فرزند واکر بش تک ان کارروائیوں کا رکنا اس لئے بھی 99 ممکن نہیں تھا کہ اس خاندان کی پوری تاریخ ہی انا پرورسرشت سے عبارت ہے۔ ●●

بقیہ: یو پی اے کا بکھراؤ

نہیں ہوتا کہ اس کو اپنے انتخابی شرکاء کی ناراضی دور کرنے سے دلچسپی ہے۔ بہار میں اس نے تنہا الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہی حال اترپردیش کا بھی ہے۔ یوپی اے کے اس بکھراؤ سے کیا وہ متاثر نہیں ہوگی۔ کیا اترپردیش کے حالات اس کے موافق ہو گئے ہیں۔ کیا بہار اور جھارکھنڈ میں اس کے حق میں کوئی لہر چل رہی ہے؟ کیا مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ میں اس کو واپسی کی امید ہے۔ راجستھان میں البتہ اس کی حکومت ہے، لیکن یہ یقین سے کہنا کہ اس کا اثر لوک سبھا کے انتخابات پر بھی پڑے گا، بہت مشکل ہے۔ اگر کانگریس کو مرکز میں دوبارہ حکومت بنانی ہے تو اس کو بکھراؤ کے اس عمل کو روکنا ہوگا اور یہ سوچنا تو بالکل ہی درست نہیں ہے کہ اس بکھراؤ کا کانگریس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ●●

جرائم پیشہ عناصر کو، انتخابی سیاست سے دور رکھنے کی ضرورت

عارف عزیز (بھوپال)

ہندوستان میں سیاست کے روز افزوں زوال نے ان لوگوں کے لئے سیاست کے دروازے کھول دیے ہیں جن کی پہلے گنجائش نہ تھی، اس کے برعکس سنجیدہ، تعلیم یافتہ اور باوقار لوگ سیاسی میدان سے کنارہ کش ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ وہ لے رہے ہیں جن کا سماج میں تو کوئی مقام نہیں مگر وہ سرمایہ، طاقت اور زور زبردستی کے بل پر دوسروں کے مقابلہ ووٹ کی سیاست بہتر طور پر چلا سکتے ہیں۔

اس برائی کی شروعات سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے الیکشن میں مذکورہ عناصر کی مدد لے کر ہوئی لیکن بعد میں اس طبقہ نے محسوس کیا کہ آدمی جیسا بھی ہو اسمبلی اور پارلیمنٹ میں پہنچنے کے بعد ایک خاص حیثیت کا مالک بن جاتا ہے اس لئے دوسروں کی مدد کرنے کی قیمت پر خود اپنے لئے بھی گنجائش پیدا کی جائے اور آج یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایسا ایک گروہ قانون ساز اداروں میں داخل ہو چکا ہے اور باقی اس کے لئے کوشاں نظر آتا ہے جب کہ آئندہ اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ جرائم پیشہ افراد اپنی ناجائز دولت اور غنڈوں کی طاقت پر ملک کا سیاسی ماحول مزید پراگندہ نہ کر دیں کیونکہ ایسے بہت سے لوگ منشیات، اسمگلنگ اور دیگر غیر قانونی کاروبار کے ذریعہ بے پناہ دولت کما کر ''باعزت پبلک زندگی'' کے خواہاں بن گئے ہیں۔

اسی پہلو کو سامنے رکھ کر نا پسندیدہ بلکہ جرائم پیشہ عناصر کو عوامی نمائندگی کے اداروں سے دور رکھنے کے لئے مرکزی سرکار کو عوامی نمائندگی کے ایکٹ میں ترمیم کرنا چاہئے۔ موجودہ حالات میں اس کی ضرورت اور زیادہ محسوس کی جا رہی ہے سپریم کورٹ نے بھی اپنے ایک فیصلے میں اس پر زور دیا ہے کیونکہ سیاست اور عوامی نمائندگی کا دائرہ آج کافی پھیل گیا ہے۔ پنچایتوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کے نتیجے میں نمائندگی دور دراز کے دیہی علاقوں سے لے کر دہلی کے مرکز تک پھیل گئی ہے لہٰذا اس میں سماج دشمن عناصر کے اثر و نفوذ کو روکنا اور زیادہ ضروری ہو گیا، مرکزی الیکشن کمیشن نے بھی اس پر زور دیا ہے کہ کسی بھی مجرمانہ معاملے میں سزا یافتہ کو الیکشن لڑنے کے لئے نااہل قرار دیا جائے لیکن ایسی ترمیم یا قانون سازی سے ناپسندیدہ افراد پر الیکشن لڑنے یا ان کے منتخب ہونے میں تو روک لگ سکتی ہے تاہم جرائم پیشہ گروہوں کو سیاسی جماعتوں کے پرچم تلے سرگرم عمل ہونے سے کیسے روکا جا سکے گا اس طرف بھی توجہ ہونی چاہئے۔ آج مشکل سے ہی کوئی چور، اچکا، ڈاکو اور اسمگلر ایسا بچا ہوگا جس نے کسی نہ کسی سیاسی جماعت کا جھنڈا نہ اٹھا رکھا ہو۔ یہ لوگ وقت و حالات کے مطابق اپنی وفاداریاں بدلنے میں خوب مہارت رکھتے ہیں۔ جو پارٹی برسر اقتدار آتی ہے اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور عام دنوں میں سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے لئے کوئی کام انجام دینے سے بھی انکار نہیں کرتے۔ چناؤ میں جبریہ یا بوگس ووٹنگ سے لے کر پولنگ بوتھوں پر قبضہ تک اور رائے دہندگان کو ڈرانے دھمکانے سے لے کر مار دھاڑ تک ہر کام جو قانون کے دائرے میں نہیں کیا جا سکتا یہ بغیر کسی جھجک کے انجام دیتے ہیں اور ان خدمات کا پورا پورا بدلہ اپنے غیر قانونی کاروبار میں سیاسی تحفظ حاصل کر کے وصول کرتے ہیں۔

اس لئے مذکورہ قانون میں جرائم پیشہ افراد کو منتخب اداروں سے دور رکھنے کے علاوہ انہیں سیاسی پارٹیوں میں پناہ لینے سے بھی روکنے کا انتظام کرنا چاہئے یا پھر تمام سیاسی پارٹیاں خود کو ایک ضابطہ اخلاق کا پابند بنائیں۔ بدقسمتی سے ہماری موجودہ سیاست کا پہلا اصول بے اصولی بن گیا ہے اس کا کوئی ضابطہ اخلاق نہیں جس جماعت کا جو مقصد ہے وہ اسے کسی بھی طرح حاصل کر سکتی ہے جب کہ گاندھی جی ہمیشہ مقصد اور حصول مقصد میں پاکیزہ طریقہ کار پر زور دیتے رہے مگر آج اس اصول کو بھلا دیا گیا ہے۔

سیاست کو خدمت کا درجہ دینے اور اس میں نیک و شریف لوگوں سے زیادہ مواقع فراہم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اخلاقی قدروں کا اسے پابند بنایا جائے۔ اور یہ کام کسی حد تک ضابطہ اخلاق کا شکنجہ مزید کس کر ہی ہو سکتا ہے۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوٹی ندوی، اشرف علی بستوی

مئو کا بنا تیز اثر دار **افضلس** نورانی تیل

لیبل و کیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، ختنہ، کھانسی، نزلہ، و زکام وغیرہ میں مجرب و مفید ہے

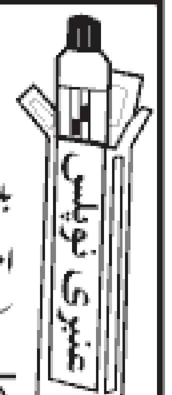

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹڈ

● برنشڈ بف کاف ● فیشن ایبل لیدرز ● ائل پل اپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نوبک ● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شواینڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170,JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

ایم اے ایف اکیڈمی

اے ۴۳ سیکٹر ۶۲، نوئیڈا

فاؤنڈر: محمد ابوالفضل فاروقی

نرسری تا XI داخلے جاری

★ سی بی ایس ای سے منظور شدہ ★ سی بی ایس ای کورس
★ اعلیٰ تربیت یافتہ اسٹاف ★ بچے کی پروگریس پر ہر وقت نظر
★ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ ★ سیکشن میں صرف ۲۵ طلباء
★ ابتداء سے کمپیوٹر کی تعلیم ★ ہر وقت بجلی کے لئے جنریٹر موجود
★ ضروری سامان سے آراستہ سائنس لیب
★ کمرہ روشن، ہوادار، تپش سے محفوظ ★ ۲۴ ہزار مربع گز کا وسیع رقبہ
★ صد فیصد نتائج ★ سیٹیں محدود ★ داخلہ فارم ویب سائٹ پر دستیاب
★ داخلے کیلئے بچے کا ہونہار ہونا کافی ★ ٹرانسپورٹ کے لئے محفوظ اور آرام دہ بسیں
★ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ نہایت خوشنما عمارت
صد فیصد رزلٹ کے ساتھ سبھی طالب علم فرسٹ ڈویژن ڈسٹنکشن (Distinction) کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔

اعلیٰ ترین سہولتوں کے باوجود فیس کفایتی

Phone: (0120) 2400522, 6545202
Fax:(0120)2400510
e-mail: info@mafacademy.com
Website: www.mafacademy.com

ضرورت رشتہ

۴۷ سالہ متوسط حیثیت اور متوسط تندرست شخص کو ایسی خاتون خانہ کی ضرورت ہے جو اردو زبان میں پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ عمر ۴۵ سال سے کم نہ ہو۔ تندرست ہونا ضروری ہے۔ بانجھ یا بیوہ بے سہارا، قدرتی آفات یا فساد زدہ علاقے کی عورت کو ترجیح دی جائے گی۔ شکل صورت رنگ و نسل اور علاقے کی کوئی قید نہیں۔ درج ذیل ٹیلی فون نمبر پر فوراً رابطہ قائم کریں:

09818295460

ہماری نئی کتابیں

25.00 ہر ایک	Common Questions About Islam	غلط فہمیوں کا ازالہ! (اردو رہندی رانگریزی)	☆
20.00	Concept of God in major religions	عالمی مذاہب میں خدا کا تصور (انگریزی)	☆
35.00	Universal brotherhood	عالمی بھائی چارہ (انگریزی)	☆
20.00	The Qur'an & Modern science: campatible or incampatible	قرآن اور جدید سائنس (انگریزی)	☆
42.00	Similarities between Hinduism & Islam	ہندو مذہب اور اسلام کی یکساں باتیں (انگریزی)	☆
45.00	The Qur'an & Bible in the light of Science	قرآن اور بائبل سائنس کی روشنی میں (انگریزی)	☆
35.00	Right of women in Islam	اسلام میں خواتین کے حقوق: جدید یا فرسودہ؟ (انگریزی)	☆
35.00	Is the Qur'an WORD OF GOD?	کیا قرآن خدا کلام ہے؟ (انگریزی)	☆
زیر طبع	Non-Veg Permitted or Prohibited	گوشت خوری صحیح یا غلط (انگریزی)	☆
زیر طبع	Focus on Islam	اسلام پر ایک نظر (انگریزی)	☆
25.00	Hazrat Muhammad & Bhartiya Dharm Grantha	حضرت محمدؐ اور ہندوستانی مذہبی کتابیں (انگریزی)	☆
84.00 set	इस्लाम और इंसान 1-6	اسلام اور انسان (ہندی) سیریز 1 تا 6	☆
24.00	इस्लाम–कुछ अहम पहलू	اسلام کچھ اہم پہلو (ہندی)	☆
65.00	इस्लाम एक सामान्य परिचय	اسلام کا عام فہم تعارف (ہندی)	☆
35.00	प्यारे नबी (सल्ल०) की पाक जिन्दगी	پیارے نبیؐ کی پاک زندگی (ہندی ر اردو)	☆
6.00	जीव-हत्या और पशु-बलि (इस्लाम की नज़र में)	جیو ہتیا اور پشو بلی (اسلام کی نظر میں) (ہندی)	☆
70.00		خاتم النبیین (اردو)	☆
18.00	पवित्र क़ुरआन में मानवता की शिक्षा	پوتر قرآن میں مانوتا کی شکچھا (ہندی)	☆
10.00		قرآنی نصیحتیں (اردو)	☆
140.00	दलित समस्या, जड़ में कौन?	دلت مسئلہ، جڑ میں کون؟ (اردو رہندی)	☆

تاریخی، دینی، اصلاحی، دعوتی لٹریچر اور دیگر اسلامی اداروں کی کتب کیلئے ہم سے رابطہ قائم کریں۔ فہرست کتب مفت طلب کریں

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

فون نمبر 09212567559، 011-26953327، ای میل: madhursandeshsangam@yahoo.co.in

دماغین برین ٹانک

(۱) دماغین ہر عمر کے ذہنی و جسمانی طور سے مصروف لوگوں کے لئے مددگار ہے
(۲) دماغین میں دوائی و غذائی اجزاء سے بھرپور مشہور پھل آملہ جزء اعظم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جس میں وٹامن ''سی'' سب سے زیادہ اور ساتھ میں کیلشیم اور فولاد بھی پایا جاتا ہے۔
(۳) دماغین یکسوئی کو بڑھاتا ہے۔ اور تھکان کم کرتا ہے۔
(۴) دماغین منہ کی بدبو کو دور کرتا ہے اور ہضم کی اصلاح کرتا ہے۔
(۵) دماغین خوش ذائقہ تازگی و توانائی سے بھرپور ایک یونانی دوا ہے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

عالم اسلام کے نامور مفکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق اور ہر دل عزیز تفسیر تفہیم القرآن کی تلخیص

تلخیص تفہیم القرآن

کا جدید ایڈیشن، نئے سائز میں، نئی تدوین، نئی کمپوزنگ اور بائبل پیپر پر معیاری طباعت کے ساتھ۔

۲ جلدوں میں

صاف اور روشن متن، ترجمے اور حواشی کے تمام حروف صاف، واضح، یکساں اور متن کے نیچے ہی ترجمے کو مکمل کرنے کا حتی الامکان اہتمام، تاکہ بہ سہولت استفادہ کیا جا سکے۔

تلخیص کار: مولانا صدر الدین اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

سائز: ۲۰×۳۰/۸ ● صفحات: جلد اول: ۱۱۶۰ ● ہدیہ: -/Rs.350
● صفحات: جلد دوم: ۱۱۵۲ ● ہدیہ: -/Rs.350

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652, 26946447(D) Fax : 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com. Website: www. mmipublishers.net